تجارتِ آخرت
(آخرت کی سرمایہ کاری)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	مسلمانوں میں موجود کوتاہیوں کی شکایت	۵
۲	قابل شکایت بات	۶
۳	موجودہ ترقی کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز	۷
۴	حدیث و تاریخ میں فرق	۸
۵	حصول ترقی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل	۹
۶	ہمارے اور صحابہؓ کے خیالات میں فرق کی مثال	۱۰
۷	ہمدردان قوم کی حالت	۱۰
۸	اظہار ہمدردی اسلام کی حقیقت	۱۲
۹	ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتا	۱۳
۱۰	علماء پر اعتراض کی حقیقت	۱۴
۱۱	ایثار اور فرعون	۱۵
۱۲	شیطان کے واقعہ سے سبق	۱۷
۱۳	سامان تدبیر	۱۹
۱۴	آج کل کے تدبیر قرآن کی مثال	۲۱
۱۵	قابل اصلاح رسوم	۲۴
۱۶	عبادات مالیہ میں لوگوں کا انتخاب	۲۴
۱۷	ایصال ثواب میں لوگوں کے غلط نظریات	۲۵
۱۸	مروجہ نظر و نیاز	۲۶
۱۹	فریب آمیز صورتیں	۲۸
۲۰	مساجد کی حالت	۳۰
۲۱	سرمایہ کاری	۳۲

۲۲	چندہ اور ہدیہ کی بے احتیاطیاں	۳۴
۲۳	ہدیہ کے آداب	۳۶
۲۴	حرص ولالچ	۳۷
۲۵	ایک بزرگ کی احتیاط اورشاگرد کا ادب	۳۷
۲۶	قبول ہدیہ کا ادب	۳۸
۲۷	دوران مصافحہ ہدیہ کی رسم	۳۹
۲۸	احتیاط میں بے احتیاطی	۴۰
۲۹	خالی جائے خالی آئے کا مطلب	۴۱
۳۰	ہدیہ کی واپسی کا معیار	۴۱
۳۱	ہدیہ لینے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل	۴۲
۳۲	آداب چندہ	۴۲
۳۳	طلب چندہ کا اصول	۴۳
۳۴	اہل اللہ کا حال	۴۴
۳۵	علماء کے لئے استغناء کی ضرورت	۴۶
۳۶	چندہ کی تحریک	۴۷
۳۷	دعوت الی الدین	۴۷
۳۸	ترغیب انفاق	۴۹
۳۹	ہماری دین سے محبت کی مثال	۵۰
۴۰	واسطہ قرب	۵۱
۴۱	صدقہ جاریہ کا فائدہ	۵۳
۴۲	اشکال کا جواب	۵۴
۴۳	نیت کا کمال	۵۵
۴۴	بذل نفس کی حقیقت	۵۶

وعظ

تجارتِ آخرت

(آخرت کی سرمایہ کاری)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ ''تجارت آخرت'' ۱۷/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو جامع مسجد سہارنپور میں کھڑے ہوکر بیان فرمایا جس میں طاعات بدنیہ و مالیہ کی تفصیل بیان کی۔ اور صدقات جاریہ کے کرنے کی ترغیب دلائی۔ سامعین میں ۲۲۰ کے قریب طلباء اور قدیم وضع کے لوگ موجود تھے حضرت مولانا سعید احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وعظ قلم بند فرمایا۔

خلیل احمد تھانوی

۲۴/محرام الحرام ۱۴۳۳ھ

۲۰ دسمبر ۲۰۱۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ﴾(۱)

مسلمانوں میں موجود کوتاہیوں کی شکایت

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں خداوند تعالیٰ نے مجملاً(۲) ان تمام وظائف ضروریہ(۳) کو جو بندے کے ذمہ ضروری ہیں بہت مختصر لفظوں میں ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں میں منجملہ بہت سی کوتاہیوں کے ایک کوتاہی وہ بھی ہے جس کی اصلاح کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہم لوگوں میں بہت سی کوتاہیاں ہیں۔ بہت سی باتوں میں اہل اسلام مرکز سے ہٹے ہوئے اور اپنی مخترعہ من سمجھوتوں(۴) میں پھنسے ہوئے ہیں اور اہل اسلام کی تخصیص قید احترازی نہیں یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کوتاہیاں صرف اہل اسلام ہی میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں جیسا کہ بعض اہل

---

(۱) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ انکو جنت ملے گی۔ سورۂ توبہ آیت ۱۱۱ (۲) اجمالی طور پر (۳) ضروری کاموں کو (۴) اپنی ایجاد کردہ دل پسند باتوں میں مبتلاء ہیں۔

مذاق جدید کا خیال ہے اسی لئے وہ جس وقت اہل اسلام کی مذمت کرتے ہیں تو دوسری قوموں کی مدح کرتے ہیں (۱) کہ فلاں قوم میں فلاں صفت نہایت اچھی ہے مگر مسلمانوں میں نہیں اور اس میں بھی بعض تو وہ مدائح ہیں (۲) کہ وہ فی نفسہ مدح کے قابل ہیں۔ (۳) نیز ان کے ذکر کرنے سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہوتی ہے کہ جن لوگوں کا دین سے تعلق بھی نہیں ان میں تو یہ مدائح (۴) موجود ہیں اور جن لوگوں میں بوجہ دین کے ہونا چاہیئے وہ بالکل معرا ہیں (۵)۔ اس کا تو مضائقہ نہیں۔

قابل شکایت بات

قابل افسوس تو یہ امر ہے (۶) کہ یا تو غیر قوموں کی وہ صفات بیان کی جاتی ہیں جو واقعہ میں قابل مدح ہی نہیں ہیں (۷) یا اگر قابل مدح ہیں تو ان سے مقصود صرف مسلمانوں پر طعن اور ان کا دل توڑنا اور عیب کھولنا ہوتا ہے یہ امر مسلمانوں کے لئے سخت محل شکایت ہے۔

اگر واقعات کا مشاہدہ کیا جاوے تو ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ واقعی اکثر اہل اسلام کا یہ شیوہ ہوگیا ہے۔ ہر عاقل آدمی کو قرائن سے ان کے لب ولہجہ سے، اس نفرت سے جو کہ ایسے لوگوں کو مسلمانوں سے ہے، ان سب کے مجموعہ سے اس کا اخذ کر لینا بعید نہیں (۸) کہ ان لوگوں کا مقصود محض اہانت ہوتی ہے مسلمانوں کی۔ پھر لطف یہ کہ جن مدائح کی مسلمانوں سے نفی کی جاتی ہے وہ واقع میں مدائح بھی نہیں۔ یعنی شریعت مطہرہ کے نزدیک مطلوب نہیں ہیں۔ اگرچہ دنیا میں کسی درجہ میں مطلوب ہوں۔ لیکن مسلمان من حیث المسلمان (مسلمان ہونے کی حیثیت سے)

(۱) اہل اسلام کی برائی کرتے ہیں تو دوسری قوموں کی تعریف کرتے ہیں (۲) وہ خوبیاں (۳) ذاتی طور پر قابل تعریف ہیں (۴) خوبیاں (۵) بالکل خالی ہیں (۶) افسوس کے قابل تو یہ بات ہے (۷) تعریف کے قابل ہیں ہی نہیں (۸) اس بات کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔

کے منہ سے ان مدائح کا نکلنا بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص ہاتھی کی یہ تعریف کرنے لگے کہ وہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اگر اس کو وزن کیا جاوے تو پچاس من کا اترے(۱) کہ یہ صفت اگرچہ واقعی صفت ہے(۲) لیکن اس کو تہذیب نفس اور قابل مدح ہونے میں کچھ دخل نہیں۔

بس اسی قسم کے وہ مدائح ہیں کہ جن کو آج کل مدائح سمجھا جاتا ہے(۳) اگرچہ ان میں کسی درجہ میں منفعت (۴) ضرور ہے جیسے ہاتھی کے اس قدر وزنی ہونے میں کیونکہ حکیم مطلق نے ہاتھی کو اتنا بڑا جثہ (۵) بلاوجہ نہیں عطا فرمایا لیکن حکیم مطلق نے اس کمال کو قابل مدح نہیں ٹھہرایا(۶)۔

موجودہ ترقی کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز

چنانچہ ان ہی مخترعہ مدائح میں ایک مدح(۷) ترقی کرنا بھی ہے کہ اس کو بہت بڑی مدح سمجھا جاتا ہے علیٰ ہذا خودداری وغیرہ(۸)۔ سو غور کر کے دیکھ لیجئے کہ شریعت نے ان کو مدح کے قابل سمجھا، یا نہیں۔

ترقی نہایت خوبصورت لفظ ہے لیکن اس وقت اس کا ماحصل محض طول امل و حرص ہے(۹) جس کی شریعت مطہرہ نے جڑ کاٹ دی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے نمونے تھے۔ انہوں نے اس کو اپنے خیال میں کبھی جگہ نہیں دی۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی تعلیم نہیں فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جس کا ایک ایک واقعہ احادیث میں مدون ہے اس کو دیکھا جائے

---

(۱) اس میں پچاس من گوشت ہو (۲) یہ بھی اگرچہ ایک حقیقی خوبی ہے (۳) بس اسی قسم کی خوبیوں کو آج کل خوبی کہا جاتا ہے (۴) فائدہ (۵) جسم (۶) قابل تعریف (۷) ان ہی خود ساختہ خوبیوں میں ایک خوبی (۸) اسی طرح خودداری وغیرہ (۹) لیکن اس وقت اسکا حاصل لمبی لمبی امیدیں قائم کرنا اور لالچ ہے۔

ابتداء سے انتہا تک کہیں بھی آپ کو یہ تعلیم نہ ملے گی۔ رہے تاریخی واقعات سوان کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ حدیث کے مطابق ہوں تو قابل اخذ ہیں ورنہ ہیچ محض (۱)۔

حدیث وتاریخ میں فرق

کیونکہ مؤرخین میں یہ بڑا مرض ہے کہ وہ واقعات میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں۔ پھر اس رائے کو بصورت واقعہ بیان کرتے ہیں زمانہ حال کے بعض خود رو مصنفین (۲) پر افسوس ہے کہ وہ محدثین پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے واقعات میں اپنی رائے کو شامل کیا ہے۔ لیکن جو شخص محدثین کے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ محدثین علیہم الرحمۃ نے کس تدین (۳) سے کام لیا ہے۔ البتہ یہ اعتراض مطابق واقع کے مؤرخین پر ضرور ہوسکتا ہے۔ صاحبو! محدثین کا تدین اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اگر ایک باب میں حدیث سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی دوسرا باب اس کا معارض صوری بیان کرتے ہیں (۴) اور اس میں بھی حدیث پیش کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کا مقصود محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات جمع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا یا اس پر زور دینا۔ کیونکہ جب ایک حدیث کے ساتھ دوسری حدیث جو پہلی سے صورتاً معارض ہے (۵) موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہوگی۔ تو بصورت ایزاد معارض کوئی خاص رائے کیونکر مقصود ثابت ہوسکتی ہے۔ (۶) اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود تمام احادیث کا لوگوں کے سامنے پیش کر دینا ہے کہ دیکھیں اور خوب سمجھ لیں۔

---

(۱) بالکل بے کار (۲) خود ساختہ (۳) دینداری (۴) اس کے فورا بعد صورۃً اس کے مخالف باب باندھتے ہیں (۵) صورتاً خلاف ہے (۶) پہلی حدیث کے خلاف دوسری حدیث زائد ذکر کرنے سے اس مصنف کی خاص رائے کیسے ثابت ہوسکتی ہے۔

ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید(۱) واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیال کی مؤیدات کو(۲)۔

پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تفاقت (۳) ہے تو حدیث قابل وثوق ہوئی اور اس کے مقابل تاریخ قابل وثوق نہ ہوئی(۴)۔ تو جو واقعات تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث ان کو باطل کرتی ہوگی وہ محض ہیچ ہیں ہرگز قابل قبول نہیں۔

حصول ترقی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

غرض حدیث کو دیکھئے تو اس سے معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرز زندگی کیا تھا اور وہی طرز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں طول امل اور طول حرص (۵) کا نشان نہیں تھا ان کی ترقی ترقی دین تھی۔ اگرچہ اس کے تابع ہوکر ان حضرات کو دنیا کی بھی وہ ترقی حاصل ہوئی کہ آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں۔ لیکن مطمح نظر صرف ترقی دین تھا۔

چنانچہ ان حضرات کی اس شان کو خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط﴾ (۶)

’’یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو یہ لوگ اس وقت بھی نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھی باتوں کی ترغیب دیں اور بری باتوں سے روکیں‘‘۔ یہ ہے ان کے خیالات کا نقشہ جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) اپنے خیال کی تائید کرنے والے واقعات (۲) تائید کرنے والوں کو (۳) فرق (۴) تو حدیث قابل اعتماد ہے تاریخ قابل اعتماد نہیں (۵) لمبی لمبی امیدوں اور حرص (۶) سورۂ حج: ۴۰۔

ہمارے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیالات میں فرق کی مثال

اب ان کو یاد رکھیئے اور پھر ان کے ساتھ اپنے خیالات کو دیکھئے اور انطباق کیجئے (۱) واللہ ایسا دشوار انطباق ہے جیسے خط مستقیم پر خط منحنی کو منطبق کرنے لگیں (۲) کہ جب تک اس میں استقامت اور اس میں انحنا باقی رہے کبھی انطباق ممکن ہی نہیں (۳) تو ہمارے خیالات خط منحنی کی طرح ہیں اور ان حضرات کے خیالات کی مثال خط مستقیم ہے (۴)۔

بحمدللہ! یہ مثال ایک خاص اعتبار سے بھی بہت ہی اچھی خیال میں آئی کیونکہ خط منحنی کے انطباق علم المستقیم کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بعض اجزاء تو خط مستقیم پر سے گزرے ہوتے ہیں اور بعض اجزاء اس سے ہٹے ہوئے ہیں (۵)۔ یہی حالت ان خیالات مخترعہ کی ہے ان میں اگر ایک قدم شریعت پر ہے تو دوسرا اس سے بالکل الگ جسکا کسی تاویل سے بھی جادہ شریعت پر انطباق نہیں ہوسکتا (۶)۔ پس ایسے حالات کس طرح قابل مدح (۷) ہوسکتے ہیں۔

ہمدردان قوم کی حالت

غرض جن مدائح کی آج کل لوگ علی العموم مسلمانوں سے نفی کرتے ہیں وہ مدائح واقع میں اس مسلک میں داخل ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے اور اگر بعض

---

(۱) اور ملا کر دیکھئے (۲) اس کا ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے سیدھی لکیر کا ٹیڑھی لکیر سے ملنا (۳) جب تک ایک لکیر (خط) ٹیڑھی ہو دوسری سیدھی تو دونوں کا ملنا انتہائی مشکل ہے (۴) ہمارے خیالات ٹیڑھے خط (لکیر) کی طرح اور ان کے خیالات سیدھے خط (لکیر) کی طرح ہیں (۵) جب کسی سیدھے خط (لکیر) کو کس ٹیڑھی لکیر سے ملایا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس ٹیڑھی لکیر کا بعض حصہ تو سیدھی لکیر سے ملے گا اور بعض نہیں (۶) یہی حال ان خودساختہ خیالات کا ہے کہ وہ شریعت سے میل نہیں کھا سکتے (۷) تعریف کے قابل۔

باتیں واقع میں قابل مدح ہوں بھی جیسے ہمدردی وایثار وغیرہ تب بھی ان کی نفی کرنے سے مقصود محض مسلمانوں کی تذلیل ہوتی ہے دل سوزی یا ہمدردی ہرگز مقصود نہیں ہوتی کیونکہ اگر ہمدردی ہوتی تو دوسری باتوں میں بھی تو ان کے ساتھ ہمدردی ہوتی حالانکہ میں اس وقت ان ہی ظاغین (۱) میں بہت سے لوگ دیکھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاف کو بھی گوارا نہیں کرتے۔ مسلمانوں کا سلام بھی ان کو پسند نہیں اور جب یہ حالت ہے تو کسی طرح بھی کہا نہیں جاسکتا کہ ان کو مسلمانوں سے ہمدردی ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو مان بھی لیا جائے تب بھی اس خاص سبب سے جو مذکور ہوا ہرگز ممکن نہیں کہ ان کی ذات سے عام مسلمانوں کو کسی قسم کی بہبودی یا نفع پہنچ سکے۔

بدیہی (۲) بات ہے کہ طبیب اس وقت مریض کو نفع (۳) پہنچا سکتا ہے کہ جب مریض کے پاس آئے نبض دیکھے قارورہ (۴) دیکھے۔ تسلی دلجوئی کرے اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ دور ہی سے محض صورت دیکھ کر الٹا سیدھا نسخہ تجویز کردے تو عقلمند باور نہ کرے گا کہ یہ طبیب اس مریض کو اس کے مرض سے نجات پانے کا سبب بن سکتا ہے اور وہ مریض اس کے علاج سے تندرست ہوسکتا ہے۔

دیکھ لیجئے طاعون کے زمانہ میں جو طبیب مریضوں سے دور رہتے ہیں ان کی ذات سے کیا کسی مریض کو فائدہ پہنچتا ہے؟ کسی ایک کو بھی نہیں! ہاں اس طبیب سے ضرور فائدہ پہنچتا ہے جو مریض کے مرض کو اپنا مرض سمجھ کر اس کے ساتھ بالکل گھل مل جائے۔

مجھ سے ایک طبیب نے بیان کیا کہ ایک زمانہ میں جب ان کے قصبہ میں مرض طاعون پھیلا تو ۶۳ مریض ان کے زیر علاج رہے جن میں سے ۵۳

(۱) انہی ناپختہ رائے والوں میں (۲) واضح (۳) فائدہ (۴) پیشاب چیک کرے۔

تندرست ہوگئے اور دس مریض انتقال کرگئے کہتے تھے کہ ان ۶۳ میں ایک مریض ایسا بھی تھا کہ جب اس کی نبض کو میں نے دیکھا ہے تو شدت حرارت کی وجہ سے میری انگلی پر چھالا پڑ گیا لیکن پھر بھی اس کی تدابیر (۱) میں مصروف رہا۔

غرض جب طبیب مریض سے نفرت کرے گا وہ مریض کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج دیکھ لیجئے کہ ان مدعیان طبابت اخلاق (۲) کا کیا برتاؤ قوم کے ساتھ ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اپنے ساتھ بھی ان کی ہمدردی نہیں اور اپنے امراض کے علاج پر بھی توجہ نہیں اور یہی سبب ہے قوم سے ہمدردی نہ کرنے کا۔ کیونکہ طبعاً اپنا خیر خواہ انسان زیادہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کی جو خیر خواہی کرتا ہے اس میں اپنی خیر خواہی مضمر ہوتی ہے (۳)۔ پس جو شخص اپنا ہمدرد نہ ہوگا وہ دوسروں کا کیسے ہمدرد ہوگا یہ لوگ اول اپنی اصلاح کریں پھر دوسروں کی اصلاح حقیقی کی فکر کریں۔

اظہارِ ہمدردی اسلام کی حقیقت

آج یہ حالت ہے کہ اظہار ہمدردی اسلام میں بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں انجمن قائم ہوتی ہیں مگر نہ نماز کی فکر ہے نہ روزے کا خیال ہے۔ مال کی اتنی افراط ہے کہ دس آدمیوں کو اور بھی ساتھ لے جاسکیں۔ لیکن محبت اسلام کا یہ عالم ہے کہ خود بھی حج کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ وضع کو دیکھئے تو سر سے پاؤں تک بالکل اسلام کے خلاف۔ گفتگو دیکھئے تو وہ مذہب سے بالکل جدا۔ تو جب ان کو اپنے امراض کے ازالہ کی فکر نہیں تو پھر دوسروں کے امراض کے ساتھ ان کو کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔

---

(۱) علاج کرنے میں (۲) اخلاقی طبیبوں (۳) پوشیدہ ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ ہر زمانہ کی ایک رسم ہوتی ہے اہل زمانہ اسی پر چلنے لگتے ہیں۔آج کل یہ رسم ہے کہ ہر مشہور یا غیر مشہور تحصیل شہرت یا تکمیل شہرت کی کوشش کرتا ہے۔اوراس کے ذرائع بہم پہنچاتا ہے منجملہ ان ذرائع (۱) کے ایک یہ بھی ہے کہ انجمنیں قائم کی جائیں اور جلسے کیے جائیں کوئی ان انجمنوں کا گورنر ہو جائے کوئی سیکرٹری کوئی کچھ اور کوئی کچھ اور اس سے عام و خاص میں ان کو ایک امتیاز ہو جائے۔پھر رسم بھی اگر شریعت پر منطبق ہوتی (۲) تو بھی نفع سے خالی نہ ہوتی کیونکہ وہ اس انطباق (۳) کی برکت سے ایک دن مبدل بہ حقیقت ہو سکتی تھی (۴) اور جب ظاہری انطباق علی الشریعۃ (۵) بھی نہ ہو تو سراسر مضر اور سم قاتل ہے (۶)۔

یہی وجہ ہے کہ حکماء امت نے عوام الناس سے صرف اسی قدر تعلق کو کافی سمجھا ہے کہ وہ اپنی صورت ظاہری کو شریعت کے موافق بنالیں اور صورت عبادت کے پابند ہو جائیں کیونکہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ یہ صورت ہی ان شاء اللہ ایک دن مبدل بحقیقت (۷) ہو جائے گی۔

ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہتا

ہمارے حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبادت میں ریا بھی ہو اس کو کیے جاؤ کیونکہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتا چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عادت سے عبادت ہو جاتی ہے۔پھر وہ ذریعہ قرب بن جاتی ہے اس کو مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

از صفت و زنام چہ زاید خیال وان خیالت ہست دلال وصال

(۱) ان ہی ذرائع میں سے ایک یہ بھی ہے (۲) شریعت کے مطابق ہوتی (۳) اس مطابقت کی وجہ سے (۴) ایک نہ ایک دن حقیقت سے تبدیل ہو ہی جاتی (۵) پھر جب ظاہری طور پر بھی شریعت کے مطابق نہیں (۶) نقصان دینے والی اور ہلاک کرنے والے زہر کی طرح ہے (۷) حقیقت سے بدل جائے گی۔

یعنی اسم سے خیال پیدا ہوتا ہے پھر وہ خیال ہی رہبر ہو جاتا ہے وصال کی طرف(۱)۔مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ صورت شریعت پر منطبق ہوتی(۲)۔تو اس کے مبدل بحقیقت ہو جانے کی امید تھی مگر انطباق ہوتا کیونکر اس لئے کہ انطباق کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ شریعت کی وقعت دل میں ہو اور یہاں وہی ندارد ہے(۳)۔

علماء پر اعتراض کی حقیقت

آج کل کے عقلاء شریعت مطہرہ کو مولویوں کے خیالات کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور ان پر اعتراض کرتے ہیں لیکن ہم کو غنیمت سمجھنا چاہئے کہ حضور ﷺ کو تو ان لوگوں نے اعتراض سے بچالیا اگرچہ واقع میں اثر اس قول کا آپ ہی پر ہوگا لیکن تاہم مورد عتاب تو صرف مولویوں کو بنایا۔ ہم اس کے بھی شکر گزار ہیں۔مگر ان معترضین کو یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ درحقیقت ان کے اعتراضات کا اثر حضور ﷺ ہی پر پڑتا ہے کیونکہ ضرب الغلام اھانۃ المولی یعنی اگر کوئی شخص کسی کے غلام کو مارے اگرچہ اس نے بظاہر آقا کو کچھ نہیں کہا مگر واقع میں یہ آقا کی بھی اہانت ہوگئی(۴) کیونکہ آقا اور غلام میں اس قدر تغائر نہیں(۵) جس قدر یہ شخص سمجھ رہا ہے بلکہ اس میں ایسا تغائر ہے جیسا کہ احول کے مرئیات میں ہوتا ہے(۶)۔

مشہور ہے کہ کسی استاد نے اپنے شاگرد کو کہا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے وہ اٹھا کر لے آؤ۔ شاگرد چونکہ احول تھا(۷) وہ جو پہنچا تو ایک بوتل کی دو نظر آئیں استاد سے کہنے لگا کہ یہاں دو بوتلیں رکھی ہیں ان میں سے کون سی لاؤں؟

---

(۱) یعنی ذکر اللہ کی کثرت کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ خیال ہی وصول الی اللہ کا سبب بن جاتا ہے (۲) صورت شریعت کے مطابق ہوتی (۳) شریعت کے مطابق عمل ہونے کے لئے اس کی محبت ضروری ہے اور وہ یہاں ہے نہیں (۴) توہین (۵) زیادہ فرق نہیں (۶) اس میں ایسا فرق ہے جیسے ایک بھینگے کے دیکھنے میں ہوتا ہے کہ اس کو ایک چیز دو مختلف چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔(۷) بھینگا۔

استاد نے کہا کہ دو نہیں بلکہ ایک ہی ہے کہنے لگا میں خود مشاہدہ کر رہا ہوں آپ میرے اس مشاہدہ کی تکذیب کرتے ہیں (۱)۔ اسپر استاد نے غضبناک ہوکر (۲) کہا کہ ایک بوتل توڑ دو اور دوسری میرے پاس لاؤ۔ شاگرد نے ایک بوتل کو توڑا تو وہ دونوں ٹوٹ گئیں۔ کہنے لگا کہ اب تو یہاں ایک بھی نہیں۔ مولانا نے اس قصہ کو کلام مجید کی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ ''ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے''۔

تو ایک کی تکذیب کرنے سے سب رسولوں کی تکذیب ہوتی ہے (۳) اور اس سے خدا تعالیٰ کی تکذیب بھی ہوجاتی ہے (۴)۔ پس معلوم ہوا کہ نائب کی تکذیب منیب کی تکذیب ہوجاتی ہے (۵)۔ لہذا علماء کی تکذیب سے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہوگی اور اس سے خدا تعالیٰ کی تکذیب ہوگی (۶) مگر لوگ اس پر بالکل نظر نہیں کرتے بلکہ بے دھڑک علماء پر اعتراض کر دیتے ہیں۔

ایثار اور فرعون

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل کے جلسے اور انجمنیں بالکل رسم بلا معنی ہیں اور صورت بھی ٹھیک نہیں اور لوگوں نے محض ان کو رسم سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ نفع پہنچانا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ یہ جب اپنا ہی دین برباد کر رہے ہیں تو دوسروں کو دینی نفع پہنچانے کا کب قصد کر سکتے ہیں اور اگر کہیئے کہ یہ ایثار ہے

(۱) میں خود دیکھ رہا ہوں آپ مجھے جھٹلاتے ہیں (۲) غصہ ہوکر (۳) ایک رسول کا انکار کرنا سب رسولوں کا انکار ہے (۴) اللہ کا جھٹلانا بھی لازم آتا ہے (۵) نائب کو جھٹلانے سے جس کا وہ نائب ہے اس کا جھٹلانا لازم آتا ہے (۶) علماء کے جھٹلانے سے رسول اللہ ﷺ کا جھٹلانا لازم آتا ہے اور اس سے اللہ کا جھٹلانا لازم آتا ہے۔

کہ اپنے دین سے دوسروں کے دین کو مقدم رکھا ہے۔ اس لئے باوجود اپنے دین کے قائم نہ کرنے کے دوسروں کے دین کی درستی کرتے ہیں تو سمجھو کہ ایثار کی اجازت دنیاوی منافع میں ہے دینی منافع میں نہیں یعنی اگر ہمارا کوئی دنیاوی نفع فوت ہوکر دوسرے کا نفع ہوجائے تو اس کو ایثار کہیں گے اور ہمارا دین تباہ ہوکر دوسروں کو نفع پہنچے تو یہ ایثار نہیں کہلائے گا۔ ورنہ اگر دین کو تباہ کرکے بھی ایثار ہو تو باغی سب سے زیادہ صاحب ایثار ہونے چاہئیں اور ان کو سب سے زیادہ خیر خواہ سرکار کہنا چاہیئے کیونکہ ان میں اتنی بڑی ہمدردی ایثار ہے کہ انہوں نے اپنی جان بھی دے دی اور تمام منافع جو اطاعت سے انکو پہنچتے وہ دوسری رعایا کے لئے چھوڑ دیئے۔

صاحبو! یہ وہی ایثار ہے جو فرعون میں تھا۔ دین چھوڑ کر دنیا پر قناعت کی اس کی ایک حکایت ہے کہ مصر کی زراعت کا مدار رود نیل کے جوش پر تھا (۱) ایک سال اس کو جوش نہیں ہوا۔ لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا تو مدعی الوہیت ہے (۲) ہم لوگ قحط میں مرجاتے ہیں۔ یہ تیری اولہیت (۳) کب کام آئے گی اس نے کہا کہ کل رود نیل کو جوش ہوگا۔ رات کو دعا کی اے اللہ! اگر چہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ میری کوئی معروض (۴) قبول ہو لیکن میری ہمت تو دیکھئے کہ میں نے آپ کو چھوڑا جنت کو چھوڑا ابدالاباد کے عذاب کو گوارا کیا۔ ان سب کے بدلے صرف ایک التجا کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرمالیجئے کہ جب میں رود نیل کو حکم دوں تو اس کو جوش ہوجائے۔ چنانچہ اس کی یہ دعا قبول ہوگئی اور ایسا ہی ہوگیا۔

اس دعا کی قبولیت سے کوئی اپنے دل میں یہ شبہ نہ کرے کہ اس کافر ملعون

---

(۱) دریائے نیل کی طغیانی پر تھا (۲) تو خدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے (۳) تیری خدائی کس دن کام آئیگی (۴) درخواست۔

کی دعا کیوں قبول ہوگئی بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ سب کی سنتے ہیں حتی کہ شیطان جو کہ سب سے زیادہ ملعون ہے اس کی درخواست بھی قبول ہوگئی اور پھر درخواست بھی خاص عتاب کے وقت کی۔ علی العموم (۱) اس وقت کی درخواست پوری نہیں ہوتی اور درخواست بھی ایسی عجیب جو آج تک کسی نے نہ کی تھی اور نہ ظاہراً منظوری کے قابل تھی کہ۔

﴿اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ﴾ ''مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک''

گویا خداوند تعالیٰ کی طرف سے تو یہ عتاب کہ ﴿اِنَّ عَلَیۡكَ لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ﴾ ''بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک''۔

اور شیطان کی طرف سے یہ درخواست کہ ﴿اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ﴾ ''اے اللہ مجھے روز محشر تک مہلت دے'' تو جب اس کی ایک ایسی عجیب درخواست ایسے عجیب وقت میں قبول ہوگئی تو فرعون کی درخواست قبول ہونے میں کیا استبعاد ہوسکتا ہے (۲)۔

شیطان کے واقعہ سے سبق

شیطان کے اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول تو اس کی بے حیائی کہ جوتیاں سر پر پڑ رہی ہیں اور اس کو درخواست کرنے کی سوجھ رہی ہے۔ دوسرا اس کا وثوق کہ باوجود اس حالت کے بھی اس کو پورا یقین تھا کہ ضرور درخواست قبول ہوگی۔

تیسرے خدا تعالیٰ کا فضل و کرم کہ درخواست کے ساتھ ہی ﴿اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ﴾ ارشاد ہوا۔ جب دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو دوستوں کو کب محروم کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) عام طور سے (۲) فرعون کی درخواست قبول ہونے میں کیا رکاوٹ ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنان نظر داری

آپ دوستوں کو کیسے محروم کریں گے جبکہ آپ کی نظر شفقت دشمنوں پر بھی ہے۔

یہ قصہ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشی کا ہے کہ جب اس بارگاہ میں دشمن کی دعا قبول ہوئی تو ہماری دعا کیوں نہ قبول ہوگی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ شیطان کے برابر اڑیل ہو جاویں(۱)۔ غرض جیسی فرعون کی ہمت تھی ویسی آج کل کے ایثار والوں کی ہمت بھی ہے اور اگر فرعون کی وہ ہمت ہمت کہنے کے قابل نہیں تو ہمارا یہ ایثار بھی ایثار نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جو اپنا خیر خواہ نہیں وہ دوسروں کا بھی خیر خواہ نہیں ہے تو ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض رسم کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ ہیں وہ صفات جن کو مدائح قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی مسلمانوں سے نفی کرنا اور دوسری قوموں میں مدائح کے شمار میں ثابت کرنا کہاں تک قابل قدر ہوسکتا ہے ہم لوگوں کی زبان پر وہ الفاظ ہیں جو کہ جسد بلا روح ہیں(۲) کہ رات دن ان کو دہرایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کے برابر کوئی دلسوز ہی نہیں۔ لیکن جیسے حدیث میں آیا ہے۔

لا یجاوز حنا جرھم (سنن الترمذی:۲۱۸۸) ان کے گلے سے آگے نہیں گزرتی دل پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور جب خود متکلم کے قلب پر اثر نہیں تو سامعین کے قلب پر کیا خاک اثر ہوسکتا ہے۔ غرض مسلمانوں کی کوتاہیوں کا بیان جو اس انداز تحقیر پر ہو وہ بے شک مذموم ہے۔ اس سے تو احتراز واجب ہے(۳) لیکن اگر براہ شفقت ہو تو ضروری ہے اور اسی شفقت کی راہ سے خاص مسلمانوں کی شکایت ان کوتاہیوں کے متعلق کرنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ پس میرا تخصیص کے ساتھ کہنا کہ

(۱) اللہ سے لگ لپٹ کر مانگیں (۲) الفاظ بغیر روح کے ہیں (۳) اس سے بچنا لازم ہے۔

مسلمانوں میں کوتاہیاں ہیں بطور قید احترازی کے نہیں بلکہ تخصیص کی نظر سے ہے کہ ہمارا خطاب اس وقت خاص مسلمانوں سے ہے اور اس موقع پر ان ہی کی اصلاح مہتم بالشان ہے۔ اس مضمون کو اس قدر تفصیل سے بیان کرنے کا قصد نہ تھا۔ اتفاقاً اس میں تفصیل ہوگئی جو ان شاء اللہ مفید ہوگی۔

سامان تدبیر

اب اس کوتاہی کو جو یہاں مقصود بالذکر ہے عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ منجملہ ان موجودہ کوتاہیوں کے ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں نے دین کے اجزاء کو متفرق کردیا ہے یعنی دین میں انتخاب کرلیا ہے جیسے کوئی چیز تقسیم ہوا کرتی ہے مثلاً انعام کی گھڑی رومال وغیرہ میں سے ایک نے گھڑی لے لی۔ دوسرے نے رومال تیسرے نے کچھ اور چوتھے نے کچھ اور اسی طرح ہمارے بھائیوں نے اس وقت مذہب میں عمل کیا ہے کہ ایک نے دین کے ایک جزو کو لے لیا دوسرے نے دوسرے جزو کو اسی کو قرآن میں فرمایا گیا ہے۔

﴿ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ﴾ "جنہوں نے آسمانی کتاب کے مختلف اجزا کر رکھے تھے"

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾

"کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے"

اس تفریق کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ایک منجملہ ان کے یہ ہے کہ کچھ حصہ پر ایمان لایا جائے اور کچھ حصے سے انکار کیا جائے۔ مسلمان اس سے تو بری ہیں ایک یہ کہ بعض کو چھوڑ دیا جائے اس کی بہت صورتیں ہیں۔ ایک کو اس وقت بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نے تو صرف اعمال بدنیہ کو دین سمجھا اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ دیندار

کہلاتے ہیں کہ انہوں نے دین کا مدار زیادہ تر اعمال بدنیہ کو سمجھا۔ بعض نے فقط اعمال مالیہ کو اختیار کر کے دوسرے اجزاء کو خیر باد کہہ دیا۔ چنانچہ اس وقت دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ بعض روساء کہ ان کو مشقت اٹھانا دشوار ہے انہوں نے تو یہ تجویز کرلیا۔ کہ چار روپیہ کسی رفاہ عام کے کام میں دے دو۔ بس کافی ہے اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے زیادہ انفع ہے[۱] صاحبو! یہ بالکل وہی بات ہے کہ۔

(کلمة حق ارید بها الباطل) ''سچی بات سے باطل مفہوم سمجھ لینا''۔

کیا اعمال مالیہ پر کاربند ہوکر اعمال بدنیہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ ان کا وجوب ساقط ہوجائے گا[۲]۔ ذرا قرآن کو دیکھئے کہ جہاں اٰتُوا الزَّکٰوةَ ہے وہیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ بھی موجود ہے۔ قرآن میں تامل کرنے کے بعد کسی کو ذرا بھی گنجائش اس کی نہیں مل سکتی ہے۔

رہا یہ شبہ کہ قرآن میں کسی کو یہ گنجائش نہیں ملتی تو یہ بہتر فرقے کیوں کر پیدا ہوگئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب گنجائش قبل از غور ہے۔ جب تک غور نہ کیا جائے اس وقت تک قرآن کی حالت مردسخی کی سی ہے کہ معتزلہ اس سے اپنے توہمات کو ثابت کررہے ہیں۔ اور قدریہ اپنے توہمات کو مجسمہ اپنے دعوے پر دلیل پیش کرتے ہیں۔ معطلہ[۳] اپنے دعوے پر لیکن غور کرنے کے بعد سوائے مذہب حق کے کسی ایک مذہب کی بھی گنجائش کلام مجید میں نہیں رہتی ارشاد ہے۔

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ ''کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے''۔

---

(۱) زیادہ فائدہ مند ہے (۲) کیا وہ واجب نہیں رہینگے (۳) تین باطل فرقوں کے نام ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ بات تدبیر (۱) کے بعد نظر آتی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں تو جو کچھ اختلاف ہے وہ بوجہ غور نہ کرنے کے ہے اور تدبّر (۲) بھی اس شخص کا معتبر ہوگا جس کے پاس سامان تدبر بھی ہو ہر کس و ناکس کا تدبر معتبر نہیں۔

آج کل کے تدبر قرآن کی مثال

آج کل کے عقلاء کا تدبر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک شخص نے گلستان کے اس شعر میں تدبر کیا تھا۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست　　در پریشان حالی و درماندگی

''دوست وہ ہے جو پریشانی اور مصیبت کے وقت اپنے دوست کی مدد کرے''

ایک مرتبہ ان کے ایک دوست کہیں پٹنے لگے اور خود بھی کچھ ہاتھ چلا رہے تھے۔ انہوں نے وہاں جا کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پہلے سے بھی زیادہ پٹائی ہوئی۔ کسی نے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے شیخ سعدی کے اس قول پر عمل کیا ہے دوست آن باشد الخ جیسا اس نے گلستان کو سمجھا تھا ویسا ہی ہمارے بھائی قرآن میں تدبر کرنے والے موجود ہیں۔ خدا ان کو سلامت رکھے مگر باطنی سلامتی کے سائے کے ساتھ۔

ایک صاحب پنجاب میں مجھ سے ملے کہنے لگے کہ تحقیقات جدیدہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تخم میں ایک نر اور ایک مادہ ہوتا ہے میں کہتا ہوں خیر یہی ہو لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ قرآن میں بھی یہ مسئلہ موجود ہو مگر وہ کہنے لگے کہ میں نے سوچا کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے یا نہیں۔ کئی مہینے تک سوچتا رہا لیکن کہیں نہ ملا۔

سبحان اللہ! صاحبو قرآن میں اس مسئلہ کو ڈھونڈنا ایسا ہے جیسا کوئی طب

(۱) غور و فکر کے بعد معلوم ہوتی ہے (۲) غور و فکر۔

اکبر میں جوتا بنانے کی ترکیب ڈھونڈنے لگے۔ کیوں صاحبو! اگر کوئی ایسا کرنے لگے تو عقلاءِ وقت اس کی نسبت کیا فتویٰ دیں گے۔ وہی فتویٰ اس کی نسبت بھی دینا چاہیئے۔

غرض کہنے لگے کہ مدت کے بعد ایک روز اتفاق سے میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی جب اس نے یہ آیت پڑھی۔﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡضُ ﴾ ''وہ ذات پاک ہے جس نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات کے قبیل سے بھی''

تو بہت خوش ہوا کہ قرآن میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے۔ تو وہ بزرگ ازواج کے معنی خاص یہاں میاں بیوی اور نر و مادہ کے سمجھے۔ حالانکہ ازواج کے لغوی معنی جوڑ کے ہیں۔ خواہ کسی چیز کا جوڑ ہو۔ حتیٰ کہ زوجی الخف والنعل (۱) بھی کہتے ہیں۔ زوج کے معنی وہی ہیں جس کو فارسی میں جفت اور اردو میں جوڑا کہتے ہیں۔ میاں بیوی کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی باہم جوڑا ہوتے ہیں یہ نہیں کہ ہر جگہ میاں بیوی ہی کے معنی ہوں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری جفت پاپوش اٹھالاؤ (۲) یا یہ کہے کہ میرے جوتے کا جوڑا اٹھالاؤ تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میرے جوتے کی میاں بیوی اٹھالاؤ۔ پس معنی آیت کے تو یہ ہیں کہ ہم نے نباتات میں بھی جوڑے پیدا کئے ہیں کہ اگر ایک انار کھٹا ہے تو دوسرا میٹھا ہے علیٰ ہذا۔ لیکن ان مجتہد صاحب نے ان ازواج کا ترجمہ زن و شوہر کیا اور قرآن میں اپنے نزدیک اس مسئلہ کو بھی داخل کر دیا۔

تو اگر ایسے قرآن میں تدبر کریں گے تو قرآن کی جوگت ہوگی ظاہر ہے اور اس قسم کے تدبر کرنے والے اس سے پہلے بھی ہوتے آئے ہیں۔ میرے ایک استاد

(۱) موزے اور جوتے کا جوڑا (۲) میرے جوتے کا جوڑا اٹھالاؤ۔

بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس ایک درزی بیٹھا ہوا تھا اس نے اول یہ پڑھا۔ (اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئکته و کتبه ورسله والیوم الاخر والقدر خیره وشره من اللّٰہ تعالی والبعث بعد الموت)

میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر اور اس بات پر کہ تقدیر اچھی اور بری اللہ کی طرف سے آتی ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

پھر ایک آہ سرد کھینچی اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب بادلوں کی بھی موت ہے یہ گت بـــعـــدالـــمـــوت کی بنائی کہ عین کی جگہ الف پڑھ کر اس کی یوں تعلیل کی(۱) کہ بادل کی بھی موت ہے۔

بہت سے لوگوں نے قرآن کی تفسیریں لکھنی شروع کر دیں لیکن وہ تفاسیر اسی قسم کی ہیں وجہ یہ کہ ان کے پاس سامان تدبر یعنی علم وتقویٰ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ تدبر بھی ضروری ہے جس کو آیت میں فرمایا: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور پھر تدبر کے لئے سامان تدبر بھی ضروری ہے جیسا کہ ظاہر ہے پس اس آیت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن میں غور کرنے کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی اور جہاں بالکل صریح دلالت ہو وہاں تو تدبر کی بھی ضرورت نہیں چنانچہ بدنیہ ومالیہ کی تفریق کی غلطی پر اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُواالزَّکٰوۃَ صاف دال ہے جہاں اٰتُواالزَّکٰوۃَ کا حکم ہے وہاں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ بھی ہے۔ یہ تو دنیادار امراء کی حالت کا بیان تھا۔

---

(۱) اس کے یہ معنی بیان کئے کہ بادل کی بھی موت ہے۔

قابل اصلاح رسوم

دوسرے وہ لوگ ہیں جن پر دینداری کا بہت ہی غلبہ ہے انہوں نے اپنے مذاق کے موافق ایک اور مسلک اختیار کیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دینداری جو کچھ ہے وہ جان سے کام لینے میں ہے۔ ان لوگوں نے طاعات مالیہ کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ میں اپنے ہی کو کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری سوانح عمری لکھنے لگے تو اس کا آسانی سے پتہ بھی نہ لگے گا کہ فلاں جگہ دس روپے دیئے۔ اس طرح ہم میں اکثر کی یہ حالت ہوتی ہے غرض اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہم لوگوں نے دین کے اجزاء کو تقسیم کر رکھا ہے کہ ایک جزو کو ایک نے اختیار کرلیا ہے اور دوسرے کو دوسروں نے یہ ایک کلی کوتاہی ہے[1]۔ پھر اس کے تحت میں اور بہت سی جزئیات داخل ہیں۔ یعنی پھر خود عبادت بدنیہ میں بھی ایک تفریق ہے۔ مثلاً کسی نے وظیفہ کو لے لیا۔ کسی نے صرف قرآن کو لے لیا۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے مرشد کی تعلیم پر اس شدت سے پابند ہوں کہ نماز چاہے قضا ہو جائے لیکن مرشد کی تعلیم قضا نہیں ہوتی۔

عبادات مالیہ میں لوگوں کا انتخاب

اسی طرح اموال میں تفریق کی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں تو چونکہ کوئی اولاد نہیں ہوتی اس لئے وہ مسجد بنانا تجویز کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ نمازیوں کی تعداد سے مسجدوں کی تعداد زیادہ ہے۔ قصبہ آنولہ کی نسبت سنا ہے کہ وہاں بے حد مسجدیں ہیں اور غضب یہ ہے کہ باوجود اس کثرت کے اب بھی اگر کسی کو اس طرف توجہ ہوگی تو اپنی مسجد الگ ہی بنانے کی سوجھے گی۔ اور مزہ یہ کہ نئی مسجد شروع کرکے پرانی کے سامان لینے پر نگاہ دوڑتی ہے کیونکہ چندہ تو

(۱) عمومی کوتاہی۔

اس قدر ہو نہیں سکتا۔ کام ادھر (۱) میں رہ جاتا ہے اور اس وقت مولویوں سے اجازت لینے کی فکر کرتے ہیں کہ حضرت پرانی مسجد بالکل ویران ہے آباد ہونے کی امید نہیں کیا اس کا ملبہ نئی مسجد میں خرچ کرلیں۔

میں نے اپنے قصبے میں دیکھا ہے کہ لوگوں نے ایک پرانی مسجد کو چھوڑ کر دس پندرہ قدم کے فاصلے پر ایک نئی مسجد بنائی۔ اب چند روز سے لوگ اس پرانی کی درستی پر بھی متوجہ ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک پھر ویران ہوگی یا دونوں کی جماعتیں ٹوٹیں گی۔

کانپور میں ایک شخص نے مسجد بنائی۔ دوسرے برادری کے بھائی نے اس کے مقابلہ پر ایک دوسری مسجد تیار کی۔ جب دونوں بن کر تیار ہوئیں تو نمازی کی فکر ہوئی۔ آخر یہ تجویز کیا گیا کہ نماز کے بعد شرینی تقسیم کی جایا کرے تا کہ نمازی بڑھیں۔

وجہ اس کی یہی ہے کہ اس قسم کے لوگ مسجد بنانا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں کہ مسجد کے کام میں روپیہ صرف ہونے میں زیادہ ثواب ہے۔

ایصال ثواب میں لوگوں کے غلط نظریات

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص تیل لایا اور اس سے پوچھا گیا کہ اس کو طالب علموں میں صرف کردیا جائے یا مسجد میں تو وہ مسجد ہی تجویز کرتا ہے بلکہ اکثر عوام الناس کا یہ خیال ہے کہ مسجد میں تیل جلنے سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ اس بناء پر اگر کوئی مرجائے اور اس کو ثواب پہنچانا ہو تو کھانا مسجد میں بھیجتے ہیں۔ دوسری جگہ دینے کو ویسا ثواب نہیں سمجھتے۔

---

(۱) کام ادھورا رہ جاتا ہے۔

اس میں ایک اور قید تراشی ہے کہ وہ کھانا بھی رات کے وقت بھیجا جاوے شاید یہ سمجھتے ہوں کہ دن کو تو آفتاب نکلا ہے اس کی کم وبیش روشنی تو ضرور قبر میں پہنچے گی۔ برخلاف رات کے کہ اس میں بالکل تاریکی ہوتی ہے اس لئے اس وقت اس طعام اور چراغ کے ذریعہ سے روشنی پہنچے گی اور دن کو بھیجنا (رات کے وقت اس نافع ہونے کی توقع پر) شاید اس لئے پسند نہیں کرتے ہوں گے کہ خدا جانے وہاں کا انتظام کافی ہوگا یا نہیں تو ایسے وقت پہنچاؤ کہ فوراً ہی پہنچے ایسا نہ ہو کہ کارکنان قضا وقدر کہیں (۱) رکھ کر بھول جائیں اور مردہ ساری رات تاریکی میں رہے۔

اسی کے قریب قریب گڑ دینے کی رسم ہے۔ یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ سکرات موت کی تلخی (۲) اس سے دور ہوگی۔ صاحبو! گڑ تو وہاں پہنچتا نہیں اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ میٹھی چیز کا ثواب بھی میٹھا ہوتا ہے۔

غرض اس قسم کی بہت سی خرافات لوگوں میں ہیں اور ان سب کے لئے مسجد ہی کو تجویز کیا ہے کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد میں بھیجنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے اور مسجد میں بھی زیادہ تر ثواب خاص منبر پر رکھنے سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بھی اس وقت کہ جب اس پر نیاز بھی دی جائے ورنہ ان کے خیال میں اتنا مال ضائع ہی گیا۔

مروجہ نظر و نیاز

کانپور میں ایک مرتبہ چند عورتیں کچھ مٹھائی لے کر عشاء کے بعد جامع مسجد میں آئیں وہاں ہی مدرسہ کے طلباء رہتے تھے میں اس وقت مکان پر جاچکا تھا صرف طلباء مسجد میں موجود تھے طالب علموں کا فرقہ آزاد ہوتا ہی ہے۔ وہ ان سے مٹھائی لے کر نیاز دئے بغیر ہی سب کھا گئے۔ ان سب عورتوں نے بے حد شور وغل

(۱) قضاء وقدر پر مامور فرشتے (۲) موت کی سختی۔

کیا۔ ان کی آواز سن کر ان کے گھر کے مرد بھی جمع ہوگئے یہ ہنگامہ برپا دیکھ کر ایک طالب علم میرے پاس دوڑا آیا اور کہا کہ مسجد میں اس قسم کا ہنگامہ برپا ہے اور یہ اس کی وجہ ہے۔ میں نے مسجد میں آکر دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ آخر میں نے اس وقت باقتضائے مصلحت (۱) طالب علموں کو برا بھلا کہا ایک آدھ کو مارا بھی اور مٹھائی کی قیمت پوچھ کر طالب علموں سے سب قیمت دلوائی اور عورتوں کو سمجھا دیا کہ یہاں نہ لایا کرو۔

قیمت دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف اڑھائی آنے (۲) کی مٹھائی تھی حالانکہ یہ مقدار ایسی مقدار نہ تھی جس پر اس قدر ہنگامہ کی نوبت آتی۔ نیز وہ ان ہی طالب علموں کے لئے لائی گئی تھی۔ لیکن محض نیاز نہ ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کے خیال میں ثواب نہں پہنچا تھا جو یہاں تک نوبت پہنچی۔ حالانکہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر دس دفعہ بھی نیاز دے دی جائے لیکن کسی کو کھلایا یا دیا نہ جاوے تو کچھ بھی ثواب نہیں پہنچتا اور اگر ایک دفعہ بھی نیاز نہ دی جاوے اور کسی مستحق کو دے دیا جاوے تو ثواب پہنچ جاتا ہے۔

ایک ظریف درویش نے بیان کیا کہ ایک مقام پر فاتحہ تھی ہم کو بھی بلایا گیا کھانا چنا گیا تو فاتحہ شروع ہوئی۔ فاتحہ خواں نے حضرت آدم علیہ السلام سے نام گنوانے شروع کئے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو میں نے کہا کہ صاحب ساری دنیا کے تو نام شمار کئے جاتے ہیں مگر ہمارا نام بھی تو لے لو۔ کیونکہ جب تک ہم نہ کھائیں گے ان میں سے ایک کو بھی ثواب نہ پہنچے گا۔ اس پر وہ لوگ خفا تو بہت ہوئے کہ وہابی ہے لیکن فاتحہ کا سلسلہ جلدی ختم ہوگیا۔

غرض عام طور سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بدوں نیاز کے ثواب نہیں ہوتا

(۱) مصلحت کے تقاضے سے (۲) ڈھائی آنے۔ ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے تھے اب نہیں ہوتے۔

نیز اس میں قوانین بھی ایجاد کئے ہیں چنانچہ مجھ سے ایک شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ گیارہویں اٹھارہ تاریخ تک جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں گویا یہ نماز کا وقت ہے کہ فلاں گھنٹے تک رہے گا اس کے بعد نہ رہے گا۔

صاحبو! یہ عقائد روکنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے تو سمجھو کہ لوگ تم کو دیکھ کر عقیدہ پیدا کرلیں گے۔ صاحبو! عوام الناس اس قدر حد سے نکل گئے ہیں کہ شریعت سے بہت دور جا پڑے۔

غضب ہے کہ بعض مقامات میں خدائی رات منائی جاتی ہے اور صبح کو اللہ تعالیٰ کی سلامتی کے گیت گاتی ہوئی مسجد میں آتی ہیں اور آکر جھک کر سلام کرتی ہیں۔ غرض مسجدوں کی بابت یوں سمجھتی ہیں کہ گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

فریب آمیز صورتیں

سو بعض نے اموال کا مصرف مسجد ہی کو قرار دیا ہے بعض لوگوں نے انجمنوں یا مدارس کو لیا۔ خواہ دینی مدارس ہوں یا دنیوی لیکن ان میں جنھوں نے مدارس دنیوی کو لیا وہ تو کبھی اکھڑ کر بھی مسجد کی طرف نہیں گرتے۔ پس انہوں نے مدرسہ سنبھال کر مسجد کو چھوڑ دیا۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ قوم سے جس طرح ہو چندہ جمع کیا جائے خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا شریعت کے مخالف ہو۔ یعنی یہ لوگ دباؤ ڈال کر چندہ وصول کرتے ہیں جو کہ شریعت سے بالکل ہی حرام ہے اور یہ غضب کرتے ہیں کہ اگر کوئی غریب چار آنے دے دے تو ان کی نمائشی قدر اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کو نیلام کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی قدر کی گئی کہ یہ غریب کا عطیہ ہے حالانکہ مقصود محض اس بہانے سے بڑی رقم وصول کرنا ہوتا ہے۔ صاحبو! ان لوگوں سے غریبوں کی کیا قدر ہوگی۔ غریبوں کی قدر وہ کرے

گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع کرے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے۔ جب تندرست ہوئے تو صاحبزادے نے شکریہ میں بہت لوگوں کی دعوت کی۔ مولانا نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا جو کہ سقوں (۱) کو دیا جاتا ہے وہ سب میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا اور خیال نہ کرنا کہ ان کا بدن صاف نہیں ان کے کپڑے صاف نہیں اور اس کو تبرک اس لئے قرار دیا کہ اول تو وہ لوگ مومن ہیں۔ دوسرے ان کی یہ شان ہے کہ حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

انا عندالمنکسرۃ قلوبھم (۲) ''میں شکستہ دل والوں کے ساتھ ہوں''۔

حدیث میں آیا ہے۔

یا عائشۃ تربی المساکین (۳) ''اے عائشہ مسکینوں کی اعانت کرو''۔

چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اس کو نہایت رغبت سے کھایا تو کسی نے اس قسم کی قدر غریبوں کی کر کے دکھائی ہے۔

مگر اس وقت قدردانی کی بھی نئی نئی فریب آمیز صورتیں ایجاد ہو رہی ہیں حتیٰ کہ اس ایک چونّی (۴) کو سینکڑوں روپوں سے فروخت کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں علاوہ تلبیس کے ربوا (۵) بھی لازم آجاتا ہے کیونکہ اس صورت میں تفاضل (۶) ہوجاتا ہے اور تفاضل ایک جنس میں ربوا ہے (۷) اور اگر ربوا کا کوئی علاج بھی کرلیں تو تلبیس (۸) کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔

---

(۱) گھروں میں پانی بھرنے والے ماشکی (۲) (الاسرار المرفوعہ لعلی القاری ۱۱۷، ۳۷۶) (۳) (البدایہ والنہایہ ۵۹:۶) (۴) چار آنے (۵) دھوکے کے علاوہ سود کا گناہ بھی ہے (۶) زیادتی (۷) ایک جنس کو جب اسی کی جنس کے عوض بیچا جائے تو اس میں کمی بیشی جائز نہیں برابر سرابر ہونا چاہئے ورنہ سود ہوگا (۸) دھوکے کا۔

ایک مقام پر ایسا ہوا کہ ایک چونی فروخت ہونے لگی۔ ایک غریب نے جو سبق پڑھایا تھا اس پر ایک ہزار روپیہ لگا دیا اور بیچنے والوں نے اسی کے نام پر نیلام کو ختم کر دیا۔ جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ چونی میرے نام پر ختم ہوگئی ہے تو رونے لگا۔ لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی کہنے لگا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے میں نے تو صرف اس لئے ایک ہزار رکھ دیا تھا کہ لوگ سن کر اس سے آگے بڑھیں گے انجمن والوں کا فائدہ ہو جاوے گا۔ آخر ایک صاحب اٹھے اور فرمایا کہ قوم میں کوئی ایسا نہیں کہ اس عالی ہمت کا قرضہ اپنے ذمہ لے لے۔ غرض اس غریب کے واسطے چندہ کیا گیا اور اس طرح پر ایک ہزار کی تعداد پوری کی گئی۔

جائے غور ہے[1] کہ یہ کارروائی صدق سے کس درجہ بعید ہے اور صاحبو یہ صدق[2] ہی وہ چیز ہے جو کہ آج مسلمانوں سے بالکل مفقود ہے[3] کہ اب ان کے ہر بات میں ایک پہلو ہوتا ہے۔ ہاں مخلصین میں اب بھی بحمداللہ یہ صدق باقی ہے غرض یہ حالت چندے کی ہوتی ہے۔

مساجد کی حالت

اس مذاق والوں کی یہ حالت ہے کہ گویا یہ کام کر لیا تو دین پر پورا عمل کر لیا۔ نہ ان کو پھر نماز کی ضرورت ہے نہ روزے کی اور اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو گھروں میں گویا مسجد میں آنے کی ان کے لئے بالکل معافی ہے۔

ایک رئیس صاحب کہنے لگے کہ مسجد میں کس طرح جاویں۔ وہاں نہ چٹائی ٹھیک ہے نہ وہاں فرش پنکھے کا انتظام ہے جگہ جگہ کائی جم رہی ہے۔ گھر پر ہر طرح کی آسائش ہے میں نے کہا ذرا سنبھل کر شکایت کرو۔ یہ تم کس کی شکایت کرتے ہو۔

---

(۱) سوچنے کا مقام ہے کہ یہ کام سچائی سے کتنا دور ہے (۲) سچ بولنا (۳) بالکل غائب۔

غریبوں کی یا خدا تعالیٰ کی۔ سو غریبوں کی شکایت تو اس لئے نہیں ہوسکتی کہ ان کے پاس اتنی وسعت ہی نہیں کہ وہ سب سامان کرسکیں۔ خدا تعالیٰ کی شکایت اس لئے نہیں ہوسکتی کہ یہ خدائے تعالیٰ کا اول تو کام نہیں تمہارا کام ہے۔ دوسرے خدائے تعالیٰ کیا فرشتوں سے یہ کام لیں۔ یہ بھی خدا کا کرنا ہے کہ تم کو حکم کیا خدمت مساجد کا اور اس کے لئے وسعت مالی دی۔ پس یہ معلوم ہوا کہ تمہاری ہی کوتاہی ہے اس لئے تم اپنی ہی شکایت کررہے ہو اگر تم مسجد میں جاتے تو تم کو اس کی حس ہوتی اور خیال پیدا ہوتا۔

لطف یہ کہ بعضے لوگ مسجد کی مدد کیا کرتے الٹا مسجد کی چیزیں اپنی ملکیت کے طور پر سمجھتے ہیں اور منگا منگا کر اپنے کاموں میں لاتے ہیں اور اگر کوئی روکے تو اس غریب پر خفگی ہوتی ہے کہ مسجد کیا تمہاری ملکیت ہے؟ نہیں صاحب تمہاری ملکیت ہے۔ کہ اس کی چیزیں تم خوب استعمال کرو۔ کبھی مسجد میں کچھ دینے کی بھی تم کو توفیق ہوتی ہے۔

ایسے لوگوں کی حالت بعینہ اس قصائی کی سی ہے کہ اس کا ایک رشتہ دار قصائی مرگیا تھا اس کی بیوی یہ کہہ کر روتی تھی کہ ہائے تیری چھریاں کون لے گا تیرے مویشی کون لے گا۔ ایک شخص ہر بات کے جواب میں بول رہا تھا کہ میں لوں گا۔ اس میں وہ عورت نوحہ میں بولی کہ تیرا قرض کون دے گا۔ وہ صاحب فرماتے ہیں بولو بھائی کس کی باری ہے۔

تو یہی حالت ہماری مساجد کے ساتھ ہے کہ خدمت کا بار تو دوسروں پر اور چیزیں برتنے والے یہ۔ حتی کہ بعض لوگ تو تخت بھی لے جاتے ہیں یہ تو دینداروں میں بھی مرض ہے کہ مسجد کا گرم پانی گھر منگا لیتے ہیں۔ غرض میں نے ان سے کہا کہ مسجد کی یہ حالت تمہاری ہی بدولت ہے کہنے لگے کہ مولوی تو مسجد میں فرشی

پنکھا لگانے سے منع کرتے ہیں۔ میں نے کہا میں اجازت دیتا ہوں تم لگالو۔ کہنے لگے کہ لوگ شوروغل کریں گے اور مجھ پر اعتراض کریں گے میں نے کہا کہ ان شاء اللہ چار دن میں جب نماز کی برکت سے قلب پر عبدیت کا اثر ہوگا تو خود ہی مخدومیت کو چھوڑ دو گے۔ کسی مولوی کو منع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ اسی قسم کے لوگ دین صرف اس کو ہی کہتے ہیں کہ کچھ روپیہ خیرات کردیا جائے۔

سرمایہ کاری

بعضے تو ان سب سے نرالے لوگ ہیں کہ وہ نہ اعمال بدنیہ کریں نہ مالی۔ اگر ان کے پاس سرمایہ ہو تو اس کو بنک میں جمع کردیا ان لوگوں کو منع کیا جاتا ہے تو منع کرنے والوں کو یہ لوگ تاریک خیال بتلاتے ہیں۔ ایک شخص نے اسی قسم کے ایک صاحب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم سود لیتے ہو تو وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ تم میری ذاتیات پر حملہ کرتے ہو سبحان اللہ امر بالمعروف ذات پر حملہ کرنا ہوگیا۔ آخر جب انہوں نے سمجھایا تو کہنے لگے کہ بھائی یہ وقت جائز و ناجائز کی تحقیق کا نہیں۔ اس وقت تو جس طرح ہو سکے روپیہ کمانا چاہئے۔

یہ مذکورہ بالا تو ان لوگوں کی حالت تھی جو کہ دنیا کے مدارس قائم کرتے ہیں اور جو دین کے مدارس کے حامی ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب ہم نے وعظ یا خطاب سے دوسروں کو ترغیب دی تو ہم کو سودوسو روپیہ دینے کی کیا ضرورت ہے الدال علی الخیر کفاعله (۱) کا ہی ثواب بہت ہے۔ الحاصل ہر ایک فرقہ نے اپنے خیال کے موافق دین کا ایک خلاصہ نکال رکھا ہے۔

تو صاحبو! یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے مگر اس وقت ان مذکورہ اقسام میں سے

(۱) جو کسی نیک کام کی طرف راہنمائی کرے تو اس کو بھی اس کام کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔

بضرورت مقام اس کوتاہی کو بالخصوص بیان کرتا ہوں جو کہ غالب ہے وہ یہ کہ مال کے خرچ کرنے کو مشکل سمجھتے ہیں۔ جہاں معلوم ہوا کہ خرچ کرنے پڑیں گے تو انہوں نے فوراً اپنی جان بچا کر اس موقع سے بھاگنے کی کوشش کی۔

ممکن ہے کہ اس خاص کوتاہی کے بیان سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ کیا محض چندہ مانگنے کے واسطے یہ وعظ کہا جاتا ہے تم تو تحریک چندہ کو پسند نہیں کرتے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ بے شک اس وقت ترغیب چندہ ہی کیلئے وعظ کہنا زیادہ مقصود ہے اور میں مطلق ترغیب کو ناپسند نہیں کرتا۔ ترغیب تو خدا تعالیٰ کے کلام مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ البتہ اس کو خاص حد تک کلام مجید میں رکھا گیا ہے یعنی اعمال کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک بذل نفس (۲) دوسری بذل مال [۱]

تو جو نسبت اس کو کلام مجید میں ہے اگر وہی نسبت کسی شخص کے وعظ میں بھی ہو تو اس کا کیا مضائقہ ہے اور اس نسبت کے محفوظ رہنے کا یہ طریقہ ہے کہ یا تو ایک ہی وعظ میں دونوں مضمونوں کو بیان کر دیا جائے یا کسی ایک وعظ میں بذل نفس کے متعلق بیان کر دیا جائے چنانچہ اس وعظ سے زیادہ مقصود ترغیب ہے انفاق فی سبیل اللہ کی [۲] اور اگرچہ واعظین کی یہ عادت ہے کہ جب چندہ کی ترغیب دیتے ہیں تو شروع سے ترغیب کا مضمون بیان نہیں کرتے بلکہ اس کو موجب وحشت عامہ [۳] سمجھ کر یوں کرتے ہیں کہ بیان شروع دوسرے مضمون سے کرتے ہیں اور اس کو کسی جگہ جوڑ لگا کر اسی وعظ میں شامل کر دیتے ہیں اور میں اس طرز کا مخالف تو نہیں ہوں کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہے مگر اس میں اتنا ضرور ہے کہ ایسے

(۱) جانی خدمت دوسری مالی خدمت (۲) اللہ کی راہ میں خرچ کرنا (۳) عوام کو چونکہ اس مضمون سے وحشت ہوتی ہے اس لئے دوسرے مضمون سے شروع کرتے ہیں۔

شخص کے ہر وعظ میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید اب چندے کا ذکر چھیڑا جاوے۔ اس لئے میں نے شروع ہی سے اس مضمون کو لیا اور کہے دیتا ہوں کہ اس وقت محض چندے کا بیان ہوگا جس کا جی چاہے سنے اور جس کا جی چاہے نہ سنے اور جس کا جی چاہے چلا جاوے۔ جو سنے گا اپنے نفع کے لئے سنے گا ہمارا اس میں کوئی نفع نہیں اور نفع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت سننے والوں کو کوئی گھڑی انعام میں مل جائے گی مگر قرآن میں صاف ارشاد ہے۔

﴿وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ اللّٰہِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ﴾ (۱)

”جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو اور تم کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی پاک خدا کے کرتے ہو۔ یہ سب پورا پورا تم کو مل جائے گا۔ اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی“۔

ان آیتوں میں غور کیجئے کہ کیا ارشاد ہوتا ہے پس یہ شبہ کہ ہم نے تمہاری ہی زبان سے متعدد بار چندہ مانگنے کی ممانعت سنی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً ممانعت ہی سمجھ جانا یہ ناتمام مضمون سننے سے ناشی ہوا ہے (۲)۔ آیات بالا میں معلوم ہوگیا ہے کہ یہ مضمون بھی دین کا جزو ہے۔

چندہ اور ہدیہ کی بے احتیاطیاں

البتہ چندہ مانگنے کی متعدد صورتیں ہیں ان میں سے جو صورت شریعت پر منطبق ہوگی وہ بے شک محمود ہوگی باقی مذموم ہوگی (۳) اور یہ قاعدہ کچھ چندے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نماز روزہ میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ مثلاً جو نماز شریعت پر منطبق

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۷۲ (۲) یہ اشکال نامکمل مضمون سننے کی وجہ سے پیدا ہوا (۳) وہ پسندیدہ ہوگی باقی ناپسندیدہ

ہوگی وہ محمود ہوگی ورنہ مذموم۔(۱) مثلاً اگر کوئی شخص بے وضو نماز پڑھنے لگے یا قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے لگے تو وہ نماز ناجائز اور مذموم نماز ہوگی۔ اسی طرح یہی قاعدہ طاعات مالیہ میں بھی ہے کہ چندہ دینے کے جواز کے لئے کچھ شرائط ہیں اگر وہ پائی جائیں تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز، پھر وہ کچھ چندہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہدیہ وغیرہ میں بھی وہی شرائط ہیں۔ اس وقت اکثر کمی یہ ہے کہ ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتے اور یہ کمی زیادہ تر لینے والوں میں ہے دینے والے تو چونکہ حتی الامکان دیتے ہی کم ہیں اس لئے وہ اکثر ان خرابیوں سے بھی بچے ہوئے ہیں البتہ لینے والے بہت زیادہ مبتلا ہیں اور یہ کوتاہی دو جگہ ظاہر ہوتی ہے کیونکہ معاملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) ایک تو وہ جو کہ بالعوض ہو (۲) دوسرا وہ جو کہ بلاعوض ہو۔

پہلی قسم میں بھی اگرچہ خرابیاں آج کل بہت ہیں۔ مگر پھر بھی اس میں ایک حد تک جواز کی صورتیں بھی بکثرت معمول بہا ہیں (۲) لیکن بلاعوض میں تو بہت بے احتیاطی کی جاتی ہے اور بلاعوض کی صورت دو ہیں۔ ہدیہ یا چندہ۔ ان دونوں میں بے احتیاطیاں سراسر ہو رہی ہیں چنانچہ ہدیہ میں ایک تو یہ بے احتیاطی کر رکھی ہے کہ کبھی کسی کا ہدیہ واپس ہی نہیں کیا جاتا جو شخص بھی ہدیہ پیش کرے اس کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص واپس کر دیتا ہو تو اس کو برا کہتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں۔

صاحبو! رسول مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اقوال میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک ہدیہ لینا بھی ناپسندیدہ ہے۔

(ما اتاك من غير اشراف نفس فخذه ومالا فلا تبعه نفسك)(۳)

---

(۱) شریعت کے مطابق وہ اچھی ہوگی ورنہ بری (۲) جائز صورتوں پر بھی اکثر عمل ہو رہا ہے (۳) (جمھرة انساب العرب ۱۶۷)۔

”کہ جو بلا انتظار نفس آوے اس کو لے لو اور جو نہ آوے اس کی فکر میں نہ پڑو“

اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدیہ قبول کرنے کے متعلق ایک قید بتلائی ہے اس کو ادب سے تعبیر کیا جائے یا شرط واجب سے۔ میں اس وقت اس سے خالی الذہن ہوں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلا دیا کہ اشراف نفس سے بچنا چاہیئے میں نے اس سے ایک امر مستنبط کیا ہے[۱]۔ اگر استنباط غلط ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔

میں نے اس سے یہ قاعدہ سمجھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس آمد و رفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانے کے پابند نہ بنو بلکہ کبھی ہدیہ لے کر چلے جاؤ اور کبھی خالی چلے جاؤ۔ کیونکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ پابندی کی صورت میں جب اس شخص کی صورت پر نظر پڑے گی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ ہے کہ پابندی سے منع کر دیا جائے چنانچہ میں نے اپنے لئے یہی تجویز کیا ہے بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

ہدیہ کے آداب

دوسری حدیث میں ہے تھادوا تحابو[۲]۔ ”ہدیہ دو آپس میں محبت بڑھاؤ“ تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازدیاد محبت قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اس وقت ہوتا ہے جب ہدیہ لے کر جی خوش ہو اور جی اس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی۔ بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہوگئی۔ تو اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہیں آنی چاہیئے، دوسرے اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے

(۱) ایک حکم نکالا ہے (۲) (السنن الکبری للبیہقی ۶:۱۶۹)۔

وقت ہدیہ نہ لینا چاہیئے کیونکہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھائی آج کل کے پیروں کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجلانے لگے تو پیر صاحب کو خیال ہوتا ہے کہ شاید پگڑی میں روپیہ نکال کر دیگا واقعی بالکل سچ ہے۔

حرص و لالچ

حرص وطمع نے ہماری وہ حالت بنادی کہ جیسے ایک مرید نے اپنے مرشد سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میری انگلیاں نجاست میں بھر رہی ہیں اور آپ کی انگلیوں پر شہد لگا ہے۔ پیر صاحب سن کر کہنے لگے کہ اس کی تعبیر ظاہر ہے کہ تو دنیا کا کتا ہے ہم لوگ اللہ والے ہیں مرید نے کہا حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا۔ میں نے اسی میں دیکھا کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں۔ اس پر پیر صاحب بہت خفا ہوئے۔

غرض یہ خواب صحیح ہو یا غلط لیکن اس خواب سے مرید نے جس حالت کا فوٹو کھینچا ہے وہ بالکل مطابق واقع کے ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مرید تو پیر سے دین حاصل کرنے کے لئے تعلق رکھتا ہے اور پیر مرید سے دنیائے مردار سمیٹنے کی فکر میں ہے۔

اسی قسم کے ایک پیر کے کوئی مرید تھے ان میں سے کسی نے پوچھا کہ میاں تم کو پیر سے کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں۔ مرید نے کہا کہ میاں جہاں سقاوہ (۱) ہی میں کچھ نہ ہو تو لوٹا میں کہاں سے آوے۔

ایک بزرگ کی احتیاط اور شاگرد کا ادب

مجھے اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی۔ بلگرام میں ایک بزرگ تھے ان کے پاس

(۱) جہاں برتن ہی خالی ہو۔

ایک شخص پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ حسب معمول ایک روز وہ پڑھنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ استاد صاحب کے چہرے پر ضعف کے آثار نمودار ہیں دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج شیخ کے ہاں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر پڑھنے سے عذر کر دیا اور گھر واپس گئے اور وہاں سے کھانا پکوا کر لائے۔ جب کھانا پیش کیا تو شیخ نے کہا کہ کھانا تو عین حاجت کے وقت آیا ہے لیکن اس کے لئے لینے میں ایک عذر شرعی مانع ہے۔ وہ یہ کہ جب تم واپس گئے تو مجھے اسی وقت خیال آیا کہ تم میرے لے کھانا لینے کو جاتے ہو۔ تو یہ کھانا اشراف نفس (۱) کے بعد آیا ہے اور اس کا لینا حدیث کے خلاف ہے وہ شاگرد بھی کیسے مودب تھے کہ اصرار نہیں کیا اور سینی لے کر فوراً اُٹھ کر چل دیئے اور تھوڑی دور پہنچ کر پھر لوٹے اور آ کر عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نفس نہیں رہا ہوگا کیونکہ میرے واپس لے جانے کے بعد آپ کو یقین ہو گیا ہوگا کہ اب وہ کھانا گیا۔ لہٰذا اب تو اس کو قبول فرمائیے چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا۔

سبحان اللہ! جب دل میں محبت ہوتی ہے یہ خدمت کا طریقہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے بقول شخصے

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست

”جس دل میں شوق ہو اس کو رہبر کی ضرورت نہیں“

برخلاف آج کل کے اگر کوئی شیخ انکار کر دے تو مرید یا شاگرد پھر بھی اس کو پریشان کرتا ہے۔

قبول ہدیہ کا ادب

ایک ادب ہدیہ کا یہ ہے کہ دنیاوی حاجت کی آمیزش اس میں نہ ہو بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آکر ہدیہ دیتے ہیں اور پھر تعویذ لکھوانے کی فرمائش

(۱) دل میں اس کی طلب کے تقاضے کے بعد آیا ہے۔

کرتے ہیں ایسے ہدیہ کو فوراً واپس کردینا چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ایک اونٹ دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے عوض میں کئی اونٹ اس کو دیئے مگر وہ شخص راضی نہ ہوا۔ اس پر حضور ﷺ کو سخت رنج ہوا اور آپ ﷺ نے خطبہ فرمایا کہ فلاں فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ اس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہیے کیونکہ اول ملاقات میں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے اس لئے میں نے اپنا یہ معمول مقرر کرلیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہوجائے تو مضائقہ نہیں۔

دوران مصافحہ ہدیہ کی رسم

رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جائے گا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی آئے اور خالی جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیر جی کی مٹھی گرم کردو۔ اور اس مٹھی گرم کرنے کے محاورہ کی ایک اصل ہے۔ وہ یہ کہ پیرزادوں نے اپنا راز چھپانے کے لئے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔

صاحبو! اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اس میں دنیا کے انضمام (۱) کے معنی دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ اس شخص کے بعد کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کرے گا۔ تو اگر کبھی دوسرے نے بھی مصافحہ کرلیا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پیر صاحب کو

---

(۱) دنیا شامل ہوگی۔

یہ ہدیہ دیا گیا۔ پھر اخفا کہاں رہا اور اگر دوسروں کو مصافحہ سے روکا جائے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شبہ ہوگا۔ کیونکہ بعضی احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے۔

احتیاط میں بے احتیاطی

چنانچہ مشہور ہے کہ ایک شخص کا نکاح ہونے والا تھا اس نے کسی دوسرے سے ایک دوشالہ مستعار[1] لے لیا۔ جب بارات آگئی تو لوگ دولہا کو دیکھنے کے لئے آئے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ دولہا کون ہے تو صاحب دوشالہ[2] دولہا کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں لیکن دوشالہ میرا ہے۔ دولہا نے کہا یار تم بھی عجیب آدمی ہو اسے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہنے لگے کہ اب ایسا نہ کروں گا تھوڑی دیر میں اور کسی نے آکر پوچھا تو آپ فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ میرا نہیں اس پر دولہا اور بھی جھلایا کہ بندہ خدا تم کو اس کے ذکر کی کیا ضرورت پڑی تھی، کہنے لگے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا کچھ دیر بعد ایک اور صاحب نے آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ کا کوئی ذکر نہیں اس پر دولہا نے دوشالہ ان کے اوپر پھینک دیا۔

تو جیسے اس شخص کا یہ کہنا کہ دوشالہ میرا نہیں یا دوشالہ کا ذکر ہی نہیں بظاہر احتیاط تھی مگر باعتبار اثر کے پوری بے احتیاطی تھی۔ اسی طرح دوسرے سے مصافحہ کرنے میں بھی اظہار ہوگا ہدیہ کا، جب اظہار ہوگیا تو پھر اخفا کہاں رہا۔ نیز جب دوسروں کے بھی مصافحہ کا احتمال ہے تو مرید صاحب کو یہ ڈر بھی تو ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص پیر کے ہاتھ سے لے کر بھاگ جائے تو کیا کرلیں گے کیونکہ جب اخفا کرکے لیا دیا گیا ہے تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ تھا۔

اگر کہیے کہ ہم دوسرے کے مصافحہ کرنے سے پہلے جیب میں رکھ لیں گے تو میں کہوں گا کہ مصافحہ میں لینے کی مصلحت تو فوت ہوگئی کیونکہ جب جیب میں رکھا

---

(۱) ایک چادر ادھار مانگ کر اوڑھ لی (۲) چادر کا مالک۔

گیا تو بھانڈا پھوٹ گیا۔ اور اگر میری رائے غلط ہے تو اس کی غلطی ظاہر کردی جائے۔

خالی جائے خالی آئے کا مطلب

غرض بعض لوگ یہ تعلیم کرتے ہیں کہ جب پیر کے پاس جاؤ تو کچھ لے کرضرور جاؤ ورنہ جو خالی جاوے وہ خالی آوے۔ یہ کلمہ تو ٹھیک ہے مگراس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا مطلب اس کا یہ ہے کہ جو خلوص سے خالی جائے گا وہ خالی آئے گا۔ اگر چہ پیر کو روپیہ بھی کیوں نہ دیا ہو غرض خلوص نہ ہونے سے تو فیض سے بھی خالی رہا اور روپیہ دے کر اس سے بھی خالی ہو گیا۔

ہدیہ کی واپسی کا معیار

ایک اور بات بھی ہدیہ کے متعلق کہنی ضروری ہے کہ بعض اوقات جو چیز ہدیہ میں دی جاتی ہے وہ مقدار میں اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا لینا گراں معلوم ہوتا ہے مثلا ایک شخص نے دس روپیہ لا کر پیش کئے تو بعض دفعہ کسی وجہ سے ان کے لینے سے طبیعت پر گرانی ہوتی ہے کہ اس کے متعلق میں مدت سے سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم واپس کرنا چاہیں تو کسی شرعی قاعدے کے تحت اس واپسی کو داخل کریں مگر الحمدللہ یہ بھی حدیث سے سمجھ میں آ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

(لا یرد طیب فانہ خفیف المحمل)(۱) ''اچھے ہدیہ کو واپس نہ کیا جائے کیونکہ وہ ہلکا بوجھ ہے''

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رد نہ کرنے کی علت طیب کے خفیف المحمل (۲) ہونے کو قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ علت نہ پائی جائے

(۱) (کنز العمال ۱۷۳۵۵) (۲) پاکزہ مال کے ہلکا بوجھ ہونے کو۔

بلکہ اس کے برخلاف طبیعت پر گرانی اور بار گزرے تو ایسی چیز کا واپس کر دینا جائز ہوگا۔

ہدیہ لینے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

میں نے اس کا ایک تخمینی معیار مقرر کرلیا ہے وہ یہ کہ کسی شخص سے اس کی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ لیا جائے اور جب ایک دن کی آمدنی کے برابر ایک مرتبہ لے لیا تو پھر دوسرا ہدیہ ایک مہینہ گزرنے سے پہلے نہ لیا جائے گویا اگر کسی کی تنخواہ تیس روپے ماہوار ہے تو اس سے مہینہ بھر میں صرف ایک روپیہ ہدیہ میں لینا مضائقہ نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ جب ایک شخص جوش طبیعت سے اس سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو انکار کی کیا ضرورت۔ تو سمجھو کہ جس جوش میں مصالح کی رعایت نہ ہو وہ جوش نہیں بلکہ جنون ہے جس کی اصلاح کرنی واجب ہے۔

اسی موقع پر ایک امر کو بھی جو کہ صدقہ وغیرہ سب میں مشترک ہے سمجھ لینا چاہئے وہ یہ کہ ہدیہ، صدقہ، چندہ، قرض، غرض جو طریقہ داد و دہش کا ہو حرام مال میں نہ ہونا چاہئے اگر کوئی حرام سے دینا چاہے تو صاف انکار کردے یہ تو ضروری امور ہدیہ کے متعلق تھے۔

آداب چندہ

دوسرا امر(۱) جس میں بے احتیاطی کی جاتی ہے وہ چندہ ہے اس میں ایک تو یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہیں لیا۔ ان لوگوں سے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا اطمینان تھا کہ ان کی قوت توکل کی کامل ہے۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کل سرمایہ قبول فرمالیا ہے۔

---

(۱) دوسری بات۔

ایک شرط یہ ہے کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی ان طرق سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو کیونکہ حدیث میں ہے۔

(لا یحل مال امر الا بطیب نفسه)(۱)''آدمی کا مال بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں''

ایک شرط یہ ہے کہ اپنی مذلت (۲) نہ ہو کیونکہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ ان میں دینے والے پر بار تو نہیں ہوتا مگر لینے والا نظروں سے گر جاتا ہے۔ حدیث میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے وہ اسی بناء پر ہے اور اسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو نہ مذلت وہاں حاجت کے وقت طلب کرنا درست ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر مانگو تو صلحاء سے مانگو (ہم لوگ جو مدعی اصلاح ہیں اس حدیث کو سن کر بہت متفکر ہوں گے کہ خدا خیر کرے اب سائلین کا ہجوم ہوگا) اور فرمایا کہ یا بادشاہ سے مانگو۔

طلب چندہ کا اصول

خلاصہ یہ ہے کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے۔ اس کا راز یہ ہے کہ سوال کی حرمت کی وجہ دو ہیں۔ ایک ذلت دوسرے مخاطب کی گرانی طبع کا احتمال۔ لیکن یہ علیٰ سبیل منع الخلو ہیں علیٰ سبیل منع الجمع نہیں (۳)۔ اور جب علت مرتفع ہوگی۔ معلول بھی مرتفع ہوگا جب بادشاہ سے مانگا تو نہ ذلت نہ گرانی۔ گرانی تو

---

(۱) (کتاب التمہید لابن عبدالبر ۱۰، ۲۳۱) (۲) ذلت نہ ہو (۳) ان دونوں باتوں سے خالی ہو یہ نہیں کہ دونوں باتیں جمع ہوں۔

اس لئے نہ ہوگی کہ جس کے پاس کروڑوں موجود ہیں وہ اگر دس پانچ دے دے تو اس کے خزانہ میں کیا کمی آتی ہے اور ذلت اس لئے نہیں کہ بادشاہ خود اتنا بڑا رتبہ رکھتا ہے کہ یہ اس کی نظر میں چڑھا ہی کب تھا کہ آج نظروں سے گر گیا۔

بزرگوں سے مانگنے کی اجازت بھی اسی لئے ہے کہ ان سے مانگنے میں مذلت تو اس لئے نہیں ہوسکتی کہ وہ سب سے کم اپنے کو سمجھتے ہیں دوسرے ترحم ان میں بہت ہوتا ہے ہر ایک پر ان کو رحم آتا ہے وہ کسی کو کیوں ذلیل سمجھنے لگے اور گرانی اس لئے نہیں ہوگی کہ وہ ہر چیز سے بالکل آزاد ہیں اگر ان کو نہ کرنا ہوگا وہ آزادی سے جواب دے دیں گے۔ کسی سے وہ کیوں دبیں گے۔ اس لئے گرانی ان کے پاس بھی نہیں آتی۔

اہل اللہ کا حال

ان کی سادگی و آزادی کی وہ حالت ہے کہ۔

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند   دلبر ماست کو باحسن خداداد آمد
زیر بارند درختان کہ ثمر ہا دارند   اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

’’حسینان جہاں کو بناؤ سنگھار کی ضرورت ہے اور ہمارے محبوب کو حسن خداداد حاصل ہے۔ پھل دار درخت زیر بار رہتے ہیں مبارک ہو سرو کہ وہ تمام غموں سے آزاد ہے‘‘۔

اور ان کی یہ حالت ہے کہ:

گر دو صد زنجیر آری بکسلم   غیر زلف آں نگار دلبرم

یعنی بجز احکام خداوندی کی قید کے اور کوئی قید بھی ان کو مقید نہیں کرسکتی

بڑی قید ننگ و ناموس کی ہوتی ہے اس کو وہ مٹا چکے۔ جس کا طریقہ وہ ہے جو اس شعر میں مذکور ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما — اے تو افلاطون و جالینوس ما

''اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیال درست ہوجاتے ہیں تجھ سے تمام بیماریوں کا علاج ہوجاتا ہے۔ تجھ سے نخوت اور ناموس کا دفعیہ ہوجاتا ہے تو ہمارے لئے افلاطون اور جالینوس ہے''۔

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد — او زحرص و عیب کلی پاک شد

''جن کا جامہ عشق سے چاک ہوگیا وہ حرص اور تمام نقائص سے بالکل پاک ہوگیا''

اس سے بڑھ کر ان کی یہ حالت ہوتی ہے۔

ساقیا برخیزد دردہ جام را — خاک برسرکن غم ایام را
گرچہ نامی ست نزد عاقلاں — ما نمی خواہیم ننگ و نام را

غرض وہ بالکل آزاد ہیں۔ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑسکتا۔ یہ وجہ ہے کہ جس کے سبب ان دونوں کو مستثنیٰ کردیا گیا لیکن جب یہ علت معلوم ہوگئی اور یہ اجازت اسی بناء پر ہے۔ تو اگر کہیں ان دونوں میں بھی ایک کا احتمال ہو تو ان سے مانگنا جائز نہ ہوگا اور یہی وجہ تھی میری ممانعت کی چندہ سے۔ ورنہ مطلق ممانعت ہرگز مقصود نہ تھی۔

علماء کے لئے استغناء کی ضرورت

اور یہ سن لیجئے کہ دین تو ہر وقت باعزت ہے لیکن ظاہر نظر میں اس کی عزت علماء کی عزت سے سمجھی جاتی ہے اگر یہ لوگ نظروں سے گر گئے تو سمجھئے کہ دین نظروں سے گر گیا۔

اور اس وقت جو دین نظروں سے گر گیا ہے یہ ہماری ہی بدولت اور محض ہماری صورت احتیاج بنانے کی وجہ سے ہے کہ لوگ ہماری اس حالت کو دیکھ کر خود دین کی تعلیم کو موجب ذلت سمجھنے لگے اور ہم کو بھی اس احتیاج نے اس نوبت تک پہنچایا بقول شخصے

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج　　　احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

”جو چیز شیروں کو لومڑی مزاج بنادیتی ہے وہ ضرورت ہے وہ ضرورت ہے حاجت ہے ضرورت ہے“

مگر بعض ایسے صاحب ہمت بھی ہیں کہ وہ باوجود احتیاج کے بھی ذلت گوارا نہیں کرتے۔ ایک شہزادہ ایرانی کسی حادثہ سے آوارہ ہو کر لکھنو آیا وہاں ایک رئیس مسافرانہ وارد تھے۔ شہزادہ نے ان کی دعوت کی۔ دوسرے کسی موقعہ پر وہ حالت سفر میں پریشان ہو کر اتفاقاً ان رئیس کے گھر پہنچے۔ ایک مریل ٹٹو پر خستہ وزار سوار تھے (۱)۔ رئیس صاحب نے ان کی صورت دیکھ کر براہ تاسف (۲) کہا۔

آنکہ شیراں را کند رو بہ مزاج　　　احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

”جو چیز شیروں کو لومڑی مزاج بنادیتی ہے وہ ضرورت ہے حاجت ہے ضرورت ہے“

---

(۱) ایک کمزور گدھے پر پھٹے پرانے کپڑوں میں سوار ہو کر پہنچے (۲) بطور افسوس۔

شہزادہ بگڑ گیا اور فی البدیہ جواب دیا کہ

شیر نر کے می شود روبہ مزاج　　　میزند بر کفش خود صد احتیاج

”شیر نر کب لومڑی مزاج بن سکتا ہے وہ سینکڑوں حاجتوں کو جوتے پر مار دیتا ہے“

اور کہا کہ تم ہم کو غربت کی وجہ سے ذلیل سمجھتے ہو اور یہ کہہ کر چل دیا۔

تو جو لوگ مقتدا کہلاویں ان کے لئے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ وہ نظروں سے نہ گریں اور یہ امر حاصل ہوتا ہے استغناء سے۔

چندہ کی تحریک

البتہ جب کبھی چندے کی ضرورت ہو تو تحریک عام کا مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی ذلت نہیں۔ رہی تحریک خاص اس میں اگر یہ یقین نہ ہو کہ میں ذلیل ہوں گا اور نہ مخاطب پر گرانی ہوگی تب تو جائز ہے اور اگر ان میں سے ایک کا بھی احتمال ہو تو ناجائز۔ اور میں جو ہمیشہ ممانعت کیا کرتا ہوں وہ اسی تحریک خاص کی بعض صورتوں میں۔ یہ تحقیق ہے اس کی جو میں سمجھتا ہوں۔

دعوت الی الدین

رہا عمل سو عمل کرنے میں اپنی اپنی رائے ہے۔ میں نے اپنے لئے یہ تجویز کر لیا ہے کہ تحریک عام میں تو کبھی نہ روکا جائے اور تحریک خاص کو مع دونوں قسموں کے ترک کر دیا جائے اس وقت میں تحریک عام کر رہا ہوں۔ اس میں بحمداللہ کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ یہ سوال ہے بلکہ دعوت الی الدین ہے اس کے متعلق اس آیت کا کافی فیصلہ موجود ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا

فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴾(۱) ’’اگر تم سے تمہارے مال طلب کریں۔ پھر انتہا درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری ظاہر کردے۔

یہ سوال کرنے کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تم سے مانگنے لگے اور مبالغہ سے مانگے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہارے کینے کو ظاہر کردے آگے فرماتے ہیں:

﴿هَآاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾(۲)

دیکھئے سوال کی تو نفی کرتے ہیں اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک گونہ اس میں معذور رکھتے ہیں چنانچہ (فیحفکم تبخلوا) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں کہ:

﴿وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ’’جو شخص بخل کرتا ہے وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے‘‘

کہ خدا تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ۔

﴿اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾ ’’اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری کسی قوم کو پیدا کردے گا۔ پھر تم جیسے نہ ہوں گے‘‘۔

جو کہ تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں اور تم سے ہر طرح افضل ہوں گے۔ دیکھئے ترغیب پر بخل کرنے سے کس قدر دھمکایا ہے کہ تمہاری تان

(۱) سورۂ محمد: ۴۷/۳۷ (۲) سورۂ محمد: ۴۷/۳۸۔

گاڑی نہیں چلتی دوسرے بھی ہزاروں خدمت گزار موجود ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

''بادشاہ کی خدمت کر کے احسان نہ جتلاؤ کہ ہم نے خدمت کی بلکہ اس کے احسان مند ہو کہ اس نے تم سے خدمت لے لی''۔

خدا تعالیٰ ہی کا ہم پر احسان ہے کہ ہم سے یہ کام لے لیا۔ تو اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ سوال اور چیز ہے اور وہ کیا ہے کہ جس میں اخفاء ہو اور اخفاء دو قسم کا ہے ایک صوری دوسرا معنوی جسے وجاہت سے وصول کرنا کہ یہ بھی اخفاء کی ایک فرد ہے۔ غرض جس میں ایلام قلب ہو [۱] وہ اخفاء ہے اور اس پر بخلوا کا ترتب کچھ بعید نہیں۔ ایک ہے ترغیب اس میں بخل کرنا مذموم [۲] ہے۔

ترغیبِ انفاق

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو صورتیں غیر مشروع ہیں وہ تو سوال میں داخل ہیں اور جو مشروع ہیں وہ ترغیب ہیں۔ غرض میں آپ لوگوں کو ترغیب دیتا ہوں اور مجھے اس ترغیب کے متعلق بہت سے مضامین محرکہ یاد نہیں ہیں۔ ہاں صرف یہ یاد ہے کہ

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

''جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں ہر بالی کے اندر سو دانے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتے ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا ہے اور جاننے والا ہے''۔

(۱) جس میں دل دُکھے (۲) برا ہے۔

اور اس مقام پر خدائے تعالیٰ نے بہت دور تک انفاق فی سبیل اللہ کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی یہ ربع پارہ[۱] اس انفاق کی فضیلت میں ہے۔ اس سے معلوم ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ بھی بہت ضروری چیز ہے۔

ہماری دین سے محبت کی مثال

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری حالت یہ ہے۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ورزر طلبی سخن دریں است

''اگر جان مانگو تو مضائقہ نہیں اگر مال مانگو اس میں کلام ہے''

ہم لوگوں کو دین سے جو کچھ محبت ہے اس کا خلاصہ وہی ہے جو کہ مولانا نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص سفر میں چلا جا رہا تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک کتّا پڑا ہوا سسک رہا ہے[۲] اور ایک آدمی اس کے پاس بیٹھا ہوا رو رہا ہے۔ مسافر نے اس شخص سے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا یہ کتا میرا بہت بڑا رفیق تھا۔ آج یہ مر رہا ہے۔ اس کے غم میں روتا ہوں۔ پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے۔ کہا کہ صرف فاقہ۔ یہ ماجرا سن کر مسافر کو اس کی اور کتے کی حالت پر رحم آیا قریب ہی ایک بورا بھرا ہوا رکھا تھا۔ مسافر نے پوچھا کہ میاں اس میں کیا چیز ہے اس شخص نے کہا اس میں روٹیاں بھری رکھی ہیں۔ مسافر نے کہا ظالم کتے کے مرنے پر بیٹھا رو رہا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ اس بوری میں سے ایک روٹی نکال کر اس کو دے دے۔ کہنے لگا کہ جناب مجھے اس قدر محبت نہیں ہے کہ اس کے لئے روٹیاں بھی خرچ کرنے لگوں۔ روٹیوں کے دام لگے ہیں اور آنسو تو مفت کے ہیں۔

اسی طرح ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کا لڑکا بیمار ہوا کسی نے ختم

(۱) ایک چوتھائی سپارہ (۲) آخری سانسیں لے رہا ہے۔

قرآن کی رائے دی اور کسی نے خیرات کا مشورہ دیا تو اس نے قرآن تو پڑھوایا لیکن خیرات کا ایک پیسہ نہیں دیا۔ اسی طرح ہم لوگ محبت دین کے داعی تو ہیں مگر پیسہ خرچ کرنے میں محبت سب ختم ہو جاتی ہے۔

میں جو اس وقت ترغیب دے رہا ہوں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم ضروری دو۔ کیونکہ دین کا کام ان شاء اللہ تمہارے نہ دینے کی صورت میں بھی ضروری ہی چلے گا۔ میں صرف اس لئے ترغیب دے رہا ہوں کہ یہ بھی ایک شریعت کا مسئلہ ہے جس کا پہنچانا ضروری ہے لیکن اس ترغیب کے ساتھ ہی محل صرف کا بتلانا بھی ضروری ہے۔ مگر اس کے بتلانے سے پہلے میں یہ ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے کسی کے کہنے سے نہیں کہا نہ آگے کسی کا کہا ہوا کہوں گا ہاں اس کی مجھے خبر نہیں کہ کسی نے تصرف باطنی سے میرے دل میں ڈال دیا ہو۔ مگر میں یقین کے ساتھ اس کی بھی نفی کرتا ہوں کیونکہ بحمد اللہ ہمارے بزرگ ایسے نہیں ہیں کہ وہ اس قسم کے تصرفات سے کام لیں۔ بالخصوص ایسے مواقع پر کہ جہاں ان حضرات کو خلاف مرضی ہونے کا احتمال ہو۔ ہاں خدائے تعالیٰ نے دل میں ڈالا اور میں نے بیان کیا۔

واسطہ قرب

تو انفاق مالی کے مصارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مفید انجمنیں، مدرسے، مسجدیں وغیرہ ہیں تو سب ضروری مگر جس وقت جو مصرف زیادہ ضروری ہو وہ زیادہ قابل توجہ ہے۔ میرے خیال میں اس مقام پر اس وقت میں مدرسہ مظاہر العلوم کے متعلق دار الطلبہ میں بڑی ضرورت ہے کماً بھی کیفاً(۱) بھی، بلکہ مناسب ہو کہ لوگ اس کو

(۱) مظاہر علوم میں طلباء کے رہنے کی جگہ تھوڑی بھی ہے اور اس میں مزید بہتری کی ضرورت ہے اس لئے وہاں چندہ دیں۔

دیکھ بھی لیں۔ لوگوں کے دیکھ لینے میں ان شاء اللہ برکت بھی ہوگی۔

اس دارالطلبہ کے باب میں حدیث ہے اوبیتاً لابن السبیل بناہ (۱) یعنی اگرچہ وہ ابن السبیل فاسق ہو (۲) لیکن پھر بھی اس کے لئے گھر بنانے میں ثواب ہوگا چہ جائیکہ وہ طالب علم ہوں جو کہ اضیاف ہوں (۳)۔ رسول اللہ ﷺ کے پھر یہ بھی نہیں کہ یوں ہی سکونت رکھیں بلکہ (قال اللّٰہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم) کا شغل رکھیں (۴) کہ اس کے برابر کوئی شغل نہیں۔ حدیث میں ہے۔

(الدنیا ملعون و ما فیھا ملعون الا ذکر اللّٰہ وما والاہ او عالم اومتعلم) (۵)

''دنیا معلون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور جو اس کے نزدیک ہے اور عالم اور طالب علم''۔

تو علم دین ذکر اللہ بھی ہے اور اس میں عالم اور متعلم بھی جمع ہیں اور دوسرے متعلقین ماوالاہ بھی۔ غرض ذکر اللہ اور ماوالاہ اور عالم اور متعلم تو لعنت سے مستثنٰی ہوئے باقی سب موجب بعد عن الرحمۃ ہیں (۶)۔

اس سے بعض مخلصین کو اسباب دنیا کی نسبت سخت تشویش ہونا ممکن تھی۔ حضور ﷺ نے اس کی کیسی تدبیر فرمائی گویا ایک پاکیزہ کیمیا سکھلائی کہ اس دنیائے ملعون کو اگر ماولاہ (۷) میں داخل کردو تو پھر سبب قرب ہوجائے گی۔ تو اس سے زیادہ کیمیا کیا ہوگی کہ واسطۂ لعنت کو واسطہ قرب بنادیا جائے اور یہی ایک ذراسی آنچ میں مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

---

(۱) وہ گھر جو مسافر کے لئے بنایا جائے یعنی مسافر خانہ (۲) اگرچہ وہ مسافر گناہگار ہو (۳) مہمان (۴) اللہ تعالٰی نے فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھنا پڑھانا ان کا مشغلہ ہو (۵) (سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۲) (۶) رحمت سے دوری کا سبب ہیں (۷) اور جو اس کا ذریعہ بنے۔

عین آں تخیل را حکمت کند عین آں زہر اب را شربت کند
آں گماں انگیز را ساز و یقین مہر ہارو انداز اسباب کیں

صدقہ جاریہ کا فائدہ

اورلوگ مغرور نہ ہوں کہ ہم تو ان کاموں میں دیتے ہیں چنانچہ اس وقت بھی مدرسہ میں دیا ہے لہٰذا ہم پہلے سے ہی داخل ہیں۔ سو جتنا دیا ہے وہ تو اس ترغیب سے نہیں دیا۔ اس پر دینا تو جب سمجھا جائے کہ جنہوں نے مدرسہ میں بھی کچھ دیا ہے وہ اسی قدر دار الطلبہ میں اور دیں اور جنہوں نے اب تک کچھ نہیں دیا وہ بھی حسب ہمت دیں اور جو نہیں لائے وہ وعدہ کرلیں۔ مگر اس کا خیال رہے کہ نری زبان ہی نہ ہو بلکہ پورا کریں۔ اور کوئی صاحب قلیل کثیر کا خیال نہ کریں۔ یہ صدقہ جاریہ ہے جتنا ہو سکے اس کی شرکت کو غنیمت سمجھیں۔

صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے حتی کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرنے میں کہتے ہیں۔

اے کہ برما میروی دامن کشاں از سر اخلاص الحمدے بخواں

’’اے وہ شخص جو دامن جھاڑتے ہوئے گزر گیا ذرا ایک مرتبہ اخلاص سے سورۃ الفاتحہ پڑھتے جانا‘‘

کہ اگر اور کچھ نہیں تو ایک دفعہ تو ایک الحمد ہی پڑھتے جاؤ۔ آج جس الحمد کو ہم ہزار بار خود پڑھ سکتے ہیں بعد مرگ اس کو ایک دفعہ دوسرے کی زبان سے پڑھنے کے لئے ترسیں گے۔ تو یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام آئے گا۔

نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کئے جائیں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے گا تو اسکو معلوم ہوگا کہ کسی جگہ بخاری کا ثواب لکھا ہوا کسی جگہ مسلم شریف کا ثواب لکھا ہوا کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہوا ہے علی ہذا۔ صاحبو! اگر آج سے ہزار سال کے بعد قیامت آئے تو اس وقت تک اس مکان میں یا تعلیم پانے والوں کے سلسلہ میں جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی دفعہ مسلم شریف پڑھائی جائے گی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز اس کی غایت پریشانی کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کہا جائے گا کہ تو نے جو دار الطلبہ میں مثلاً مدد کی تھی کہ آج یہ پوٹ ثواب کی اس کی بدولت تم کو مل رہی ہے اس وقت خوش ہوگا اور زبان حال سے کہے گا۔

جمادے چند دادم جاں خریدم بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

''میں نے چند سکوں کے عوض جان خریدی الحمد للہ میں نے بہت سستی خریدی''

اور اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے سے کیا نفع عظیم حاصل ہوا۔

صاحبو! خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔

اشکال کا جواب

ممکن ہے کہ بعض وہمی مزاجوں کو شبہ ہو کہ جب اس مکان میں یہ کام یا خود یہ مکان نہ رہے گا تو کیسے ثواب ملے گا اور اول تو اس کا گمان کرنا ہی برا ہے۔ یاد رکھو کہ نیک کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کرتا۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

”اگر سارا جہاں ہوائے مخالف بن جائے تب بھی اللہ والوں کا چراغ گل نہ ہوگا“

نیت کا کمال

غرض اس میں کبھی انقطاع (۱) نہیں ہوتا اور بالفرض ہو بھی تو یہ قاعدہ مقرر ہے۔ انما الاعمال بالنیات ”عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے“

تو نیت تو دینے والوں کی ہمیشہ ہی کے لئے اس کی اعانت کرنے کی ہے اگر اسی پر پڑ رہو کہ جتنے دن قیام ہوا تنے ہی دن کا ثواب ملے تو جنت دائمی کا استحقاق بھی نہ رہے گا۔ کیونکہ جب سو برس تک بھی نیکیاں نہیں کیں تو سو برس سے زیادہ جنت میں کیوں رہیں۔ حالانکہ جنت میں ابدالاباد رہنا ثابت ہے (۲) تو اس نیت کی بدولت ہے کہ ہر مسلمان کی نیت یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہیں گے تو اس دین پر رہیں گے۔ اسی لئے جزائے موبد (۳) ملتی ہے اسی طرح یہاں بھی نیت تابید (۴) کی ہے پس یہ وسوسہ غلط ٹھہرا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے تقسیم اور تجزیہ کا غلط ہونا ثابت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے نفسوں اور جانوں کو خریدلیا ہے۔ تو دونوں کو جمع فرمانے سے یہ بتلا دیا کہ نہ صرف بذل مال کرنے والے مغرور ہوں اور نہ صرف بذل جان کرنے والے بلکہ جب دونوں کا بدل ہوگا تو جنت کا استحقاق ہوگا۔ تو صاحبو! جنت ایسی سستی نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ۔

(الا ان سلعة اللّٰه غاية الا ان سلعة اللّٰه هى الجنة) (۵)

”خبردار اللہ کا سامان مہنگا ہے خبردار اللہ کا سامان جنت ہے“

---

(۱) یہ کبھی ختم نہیں ہوتا (۲) ہمیشہ رہنا ثابت ہے (۳) اس کا ہمیشہ رہنے والا بدلہ ملتا ہے (۴) ہمیشہ کی ہے۔

(۵) ”تفسیر البغوی: ۷۔۹، تفسیر ابن کثیر ۷: ۴۸۱، اتحاف السادة المتقین ۱۰: ۲۵۳“۔

بذل نفس کی حقیقت

اب میں طالب علموں کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ اس مقام پر شبہ ہوسکتا ہے کہ بذل نفس تو خاص خاص کاموں میں ہوتا ہے یعنی قتال میں جس کا آگے ذکر بھی ہے ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ تو بذل نفس کیسے ہوا تو سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے خود آگے چل کر فرما دیا ہے۔

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ ﴾

وہ ایسے ہیں جو کہ توبہ کرنے والے ہیں حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے یہ آیت اس شبہ کو بالکل زائل کر کے بتلا رہی ہے کہ یہ سب کام بذل نفس ہی میں داخل ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ دلیل ہے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''مسلمانوں کو بشارت دیجئے''

یہ المومنین اسی عن المومنین سابق کا اعادہ ہے۔ پس ان اعمال کے بعد یہ حکم دینا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مومنین مذکورین کو بشارت دے دیجئے صریح طور سے دال ہے کہ جس اشتراء انفس واموال کا اوپر ذکر تھا وہ یہ اعمال ہیں پس یہ سب بذل نفس ہوگیا اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ تمام شریعت مطہرہ بذل نفس اور بذل مال کی تفصیل ہے۔(۱) یہ تھا میرا مقصود اس وقت کے بیان سے۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ یہ کچھ رقم میری طرف سے مدرسہ میں قبول ہو اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ برکت دے۔ آمین یا رب العالمین (۲)۔

---

(۱) مال خرچ اور جان خرچ کرنے کی تفصیل ہے (۲) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے تمام احباب کو کثرت سے صدقات جاریہ اور عبادات بدنیہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۰/ دسمبر ۲۰۱۱ء۔ ۲۴/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ